تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ

(آل عمران)

مجلس انصار اللہ مرکزیہ کا ترجمان

ماہنامہ

انصار اللہ

ربوہ

اخاء ۱۳۶۲ ہش / اکتوبر ۱۹۸۳ء

شرح چندہ

پاکستان :- ۲۰ روپے سالانہ

فی پرچہ :- دو روپے صرف

ایڈیٹر ـــــــ غلام باری سیف

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ

مجلسِ انصار اللہ مرکزیہ کا ترجمان

ماہنامہ انصار اللہ ربوہ

ذی الحجہ ۱۴۰۳ ہجری

اخاء ۱۳۶۲ ہش

اکتوبر ۱۹۸۳ء

ایڈیٹر

غلام باری سیف

مدیرانِ اعزازی

ملک صلاح الدین صاحب بھارت۔ مبارک احمد صاحب ساقی لندن

کمال یوسف صاحب سکنڈے نیویا

شرحِ چندہ ماہنامہ "انصار اللہ"

پاکستان		بیس روپے سالانہ ۲۰/-
امریکہ۔ کینیڈا جزائر فجی	بذریعہ ہوائی ڈاک	ایک سو پچاس ۱۵۰/- ؍؍
	؍؍ بحری ڈاک	اسی ۸۰/- ؍؍ ؍؍
دیگر ممالک	بذریعہ ہوائی ڈاک	ایک سو ۱۰۰/- ؍؍ ؍؍
	؍؍ بحری ڈاک	ساٹھ ۶۰/- ؍؍ ؍؍

فہرستِ مضامین

پبلشر: چوہدری محمد ابراہیم

پرنٹر: سیّد عبد الحیٔ

مطبع: ضیاء الاسلام پریس ربوہ

مقامِ اشاعت: دفتر ماہنامہ انصار اللہ دار الصدر جنوبی ربوہ

کتابت: محمد رفیق احمد ربوہ

قیمت فی پرچہ: دو ۲ روپے

اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰہِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوۃَ وَاٰتَی الزَّکٰوۃَ وَلَمْ یَخْشَ اِلَّا اللّٰہَ فَعَسٰۤی اُولٰٓئِکَ اَنْ یَّکُوْنُوْا مِنَ الْمُھْتَدِیْنَ ٥

(التوبہ آیت ۱۸)

ترجمہ:۔ اللہ کی مساجد کو وُہی شخص آباد کرتا ہے جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لاتا ہے اور نمازوں کو سنوار کر ادا کرتا ہے۔ اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتا۔ سو قریب ہے کہ ایسے لوگ کامیابی کی طرف لے جائے جائیں۔

اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ رسول سرتاج مرسلین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

مَنْ بَنٰی لِلّٰہِ مَسْجِدًا بَنَی اللّٰہُ لَہٗ مِثْلَہٗ فِی الْجَنَّۃِ

(ترمذی ابواب الصلوٰۃ)

کہ جس نے اللہ کی خاطر مسجد بنائی اللہ نے اس جیسا اس کا گھر جنّت میں بنا دیا۔

حضرت مفتی محمد صادق صاحب فرماتے ہیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا:۔

"جس گاؤں یا شہر میں ہماری جماعت کی مسجد بن گئی وہاں سمجھ لو کہ جماعت کی ترقی کی بنیاد پڑ گئی۔ اگر کوئی ایسا گاؤں یا شہر ہو جہاں مسلمان کم ہوں یا نہ ہوں اور وہاں اسلام کی ترقی کرنی ہو تو وہاں ایک مسجد بنا دینی چاہیئے۔ پھر خود خدا مسلمانوں کو کھینچ لائے گا۔ لیکن شرط یہ ہے کہ قیام مسجد میں نیّت خالص ہو۔"

(ذکر حبیبؓ ص۱۹۷)

نقشہ مساجد احمدیّہ باعتبار برّ اعظم

برّ اعظم	کل مساجد	ممالک کے نام	اہم مساجد کے نام
افریقہ	۵۵۰	گھانا۔ یوگنڈا۔ زیمبیا۔ کینیا۔ آئیوری کوسٹ۔ لائبیریا۔ سیرالیون ماریشس۔ نائیجیریا۔ تنزانیہ گیمبیا ساؤتھ افریقہ	سنٹرل مسجد اکرا احمدیّہ سنٹرل مسجد فری ٹاؤن مسجد ناصر بو
ایشیا	۱۳۴	انڈونیشیا۔ فجی جزائر۔ ملائیشیا۔ فلسطین (نوٹ:۔ پاکستان، بھارت اور بنگلہ دیش کی مساجد کی تعداد اس میں شامل نہیں ہے	مسجد اقصیٰ نادی مسجد محمود مارو مسجد فضل عمر سوا جامع مسجد سیّدنا محمود۔
شمالی امریکہ	۹	یونائیٹڈ سٹیٹس امریکہ۔ گی آنا۔ سوری نام اور ٹرینیڈاڈ	مسجد یوسف توسان ڈیٹن مسجد
یورپ	۸	سپین۔ ہالینڈ۔ ڈنمارک سویڈن۔ جرمنی اور انگلستان	مسجد بشارت مسجد مبارک مسجد نصرت جہاں مسجد ناصر مسجد نور اور مسجد فضل عمر مسجد فضل

برّ اعظم آسٹریلیا میں پہلی احمدیّہ مُسلم مسجد کی اہمیّت

سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ فرماتے ہیں :-

"اللہ تعالیٰ نے جماعت کو یہ توفیق عطا فرمائی ہے کہ برّ اعظم آسٹریلیا میں سب سے پہلی احمدیّہ مُسلم مسجد کی بنیاد رکھی جانے والی ہے۔ یہ برّ اعظم آج تک باقاعدہ احمدیّہ مشن سے خالی تھا۔ اس سے قبل اور کوئی برّ اعظم ایسا نہیں تھا جہاں جماعت احمدیّہ کے ایک یا ایک سے زیادہ مشن قائم نہ ہو چکے ہوں۔ صرف یہی باقی رہ گیا تھا۔ انشاء اللہ اس سال ہم یہ کہہ سکیں گے کہ جماعت کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے دُنیا کے تمام برّ اعظموں میں مساجد اور مشن ہاؤس تعمیر کرنے کی توفیق عطا فرمائی ہے۔

آسٹریلیا برّ اعظم بھی ہے اور مُلک بھی دونوں چیزیں یہاں اکٹھی ہوگئی ہیں لیکن میں برّ اعظم کے نقطہ نگاہ سے بات کر رہا ہوں۔ ورنہ ملک تو بے شمار ایسے ہیں جہاں اللہ تعالیٰ کے فضل سے جماعتیں قائم ہو چکی ہیں۔ اور جماعت یہاں بھی پہلے سے قائم ہے۔ صرف مسجد اور مشن ہاؤس کی کمی تھی جو اب انشاء اللہ تعالیٰ پُوری ہو جائے گی۔ یہ بہت ہی اہم ملک ہے۔ کیونکہ مشرق اور مغرب کے درمیان یہ ایک قسم کا پُل بنا ہوا ہے۔ مشرق میں ہوتے ہوئے بھی یہ ایک مغربی مُلک ہے۔

یہاں کے لوگوں کا مزاج باقی مغربی قوموں کے مقابل پر زیادہ حوصلہ افزا ہے۔ اور مذہبی ٹالرنس (TOLERANCE) ان میں بہت زیادہ ہے۔ یہ ایک ایسا مُلک ہے۔ جہاں آپ کو کسی بھی نوعیت کے مذہبی فساد نظر نہیں آئیں گے۔ کیونکہ ان سے متعلق یہ کہا گیا ہے کہ وہ ایک لمبے تجربہ کی بناء پر اختلاف رائے کا وسیع حوصلہ رکھتے ہیں۔ اس نقطۂ نگاہ سے جماعت احمدیّہ کے لئے اللہ تعالیٰ کے فضل سے بہت اچھا موقع ہے۔"

(الفضل ۲۰ ستمبر ۱۹۸۳ء)

جلد ۲۴	ماہنامہ "انصار اللہ" ربوہ	شمارہ ۱۰

اخاء ۱۳۶۲ ہش

اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْد

اللہ تعالیٰ کے حضور سر سجدہ ریز ہیں ۔ ہماری پیشانیاں خاک آلود ہیں ۔ دِل خدائے واحد کے شکر سے لبریز ہیں ۔ زبانیں اُس کی حمد کے ترانے گا رہی ہیں کہ احمدیت کے قیام کی پہلی صدی میں تمام برّاعظموں میں مساجد کی تعمیر کی توفیق نصیب ہوئی ۔ وذٰلك فضل الله فالحمد لله ۔

اَب آسٹریلیا سے بھی مسیح پاک کے نام لیوا خدا کی عظمت ، اس کی توحید اور آقائے یثربی کی رسالت کا اعلان کریں گے ۔ اَب پانچ مرتبہ ہم برّاعظم آسٹریلیا میں مسجد کے میناروں سے اہلِ آسٹریلیا کو آگاہ کریں گے کہ

اَللّٰہُ اَکْبَر اَللّٰہُ اَکْبَر ———— اللہ سب سے بڑا ہے ۔ اللہ سب سے بڑا ہے ۔

اَشْھَدُ اَن لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ ۔ مَیں گواہی دیتا ہوں کہ سوائے خدا کے کوئی قابلِ پرستش نہیں ۔

اَشْھَدُ اَنَّ محمد الرسول اللّٰہِ ۔ مَیں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے رسول ہیں ۔

یہ خدا کا فضل و احسان ہے ۔ ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ خدا کے وعدے پُورے ہوئے ۔ اللہ نے مسیحِ پاک کو فرمایا تھا " مَیں تیری تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا " اور خلفائے احمدیت کو خدا نے یہ توفیق عطا فرمائی کہ دُنیا کے کناروں تک پہنچ کر انہوں نے بنفسِ نفیس یہ پیغام پہنچایا ۔ شاعرِ احمدیت حسن رہتاسی نے اس الہام پر نظمیں کہی تھی ۔ ؎

حصاروں ، ریگ زاروں ، کوہساروں آبشاروں تک ٭ پیاروں ، جاں نثاروں ، تاجداروں خاکساروں تک

غرض یورپ سے پچھم تک اُدھر اُترے تا دکھن ٭ تیری تبلیغ پہنچاؤں گا دُنیا کے کناروں تک

خدا کا اس غریب بے بسی ، بے کس جماعت پر کتنا احسان ہے کہ پچھلے سال اُسے سپین میں اسلام کے نشأۃ ثانیہ کے دَور

میں پہلی مسجد کی تعمیر کی توفیق نصیب ہوئی۔ تو اِس سال اُسے برّاعظم آسٹریلیا میں اس کا گھر تعمیر کرنے کی سعادت ملی۔ سَر اُس ذاتِ احدیّت کے حضور عجز و نیاز سے جُھکے ہیں۔ اور زبان پر یہ جاری ہے۔ ؎

این سعادت بزور بازو نیست ؛ تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

پچھلے سال ہمارے پیارے امام نے اُس "مسجد بشارت" کا افتتاح فرمایا تھا جس کی بنیاد آپ کے بڑے بھائی سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ نے رکھی تھی اور اس سال آسٹریلیا میں مسجد کی تعمیر کے آغاز کی توفیق تائید ایزدی سے آپ کو حاصل ہوئی۔

مسجد کی تعمیر کے ساتھ ہم نے ایک چیلنج قبول کیا ہے اور وہ ہے اس کی آبادی اور جذبۂ عبادت۔ یہ کوئی دنیوی عمارت نہیں اسے اسلامی اصطلاح میں خدا کا گھر کہا جاتا ہے۔

عزیزو! خدا کے گھر کی آبادی ہوتی ہے خشوع و خضوع والی نماز سے۔ اللہ اور آخرت پر حقیقی ایمان سے۔ ظاہری مسجد کی تعمیر کی کوئی بات نہیں اگر اُسے صحیح خدا کے عبد میسّر نہیں۔ اگر اُسے صاحبِ ایمان میسّر نہیں جن کے دل اُس کے ساتھ اٹکے ہوئے ہوں۔ اور پھر یہی وہ لوگ ہیں جن کے بارہ میں خدا کے برگزیدہ رسول نے فرمایا یہ اُن سات آدمیوں میں سے ہیں جن پر اس خدا کا سایہ ہوگا جس دن اور کوئی سایہ نہ ہوگا۔ یعنی وہ لوگ خدا کی پناہ میں ہوں گے۔ اور اُس دن پناہ دینے والی صرف وہ ذات ہے۔

آج دُعائیں کیجئے اس موعود خلیفہ کے لئے بھی جس نے جماعت کو کہا تھا ہم نے زمین کے چپہ چپہ پر مساجد تعمیر کرنی ہیں۔

کتنے کڑے ابتلاؤں، امتحان سے گزر کر یہ خدا کی نعمت نصیب ہوئی۔ مبارک اور سلامتی ہو اُن روحوں پر جن کی مساعی کی بدولت جماعت کو یہ دن دیکھنے نصیب ہوئے۔ اللہ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔

اور کمر بستہ ہو جاؤ اہلِ ایمان و اخلاص! کہ خدا کے ہر انعام ملنے پر عجز و نیاز اور بڑھے۔ اور کمر بستہ ہو جاؤ کہ خدا کے انعامات مزید قربانیوں اور عمل کا تقاضا کرتے ہیں۔ اللہ اُن گھروں کو جو تیرے نام پر بنارہے ہیں پاکباز نمازی بخش۔ جو اُن گھروں کو ہمیشہ آباد رکھیں۔ اللہ! ہماری ادنیٰ مساعی میں برکت ڈال اور توفیق عطا فرما کہ ہم اسلام کا نُور ساری دُنیا میں پھیلا سکیں۔ مولا یہ تو تیری تقدیر ہے اور تیرا احسان ہے کہ ہمیں اس کی توفیق عطا فرما رہا ہے۔

ظُلم و بربریت کا شکار ـــ ناصرِ شہید

وہ دن جب ہر مسلمان کا سر خدا کے حضور جُھکا ہوتا ہے۔ وہ حضرت ابراہیمؑ کی یاد میں خدا کے حضور قربانی پیش کرتا ہے کہ خداوند تیرا حکم ہو تو بیٹوں کا نذرانہ بھی پیش کر دیں۔ تیری رضاء کی چُھری کے نیچے میری اطاعت و انقیاد کی گردن حاضر ہے۔ ہماری یہ زندگی مستعار ہے۔ ناصر مرحوم نے اوکاڑہ میں خدا کے حضور جان کا نذرانہ پیش کر دیا۔

مرحوم بہت خوبیوں کا مالک تھا۔ وہ بہت ہی صالح، بردبار، متقی، دُعاگو اور صاحب رؤیا نوجوان تھا۔ سلسلہ کے کاموں کے لئے وہ بہت درد رکھتے تھے۔ بہت لگن اور محنت سے کام کرنے والے انتھک انسان تھے۔ جماعت کو ہمیشہ اپنے صائب مشوروں سے نوازتے۔ وہ صاحب فراست تھے۔ مشکل سے مشکل مسئلوں کو اپنے ناخن تدبیر سے حل کرنے کی اہلیت رکھتے تھے۔
۱۹۷۴ء کے ہنگامہ خیز طوفان میں جماعت کی ڈھارس بندھانا ان کا کام تھا۔ کتنی ہی فکر انگیز بات ہوتی اس کو اپنے وجود میں جذب کر لیتے اور جماعت کا حوصلہ بندھاتے۔ جماعت اوکاڑہ کے سیکرٹری امور عامہ اور سیکرٹری جائداد تھے سیکرٹری جائداد کی حیثیت میں انہوں نے تین سال میں دس سال کا کام کیا۔

اللہ یہ رتبہ اپنے پیاروں کو ہی عطا کرتا ہے یا اُن کو جن کو وہ اپنا پیار دینا چاہتا ہے۔

عید کے روز ایک شقی کے ظالمانہ خنجر کے وار سے ناصر شہید دو گھنٹہ کے اندر اندر خدا کو پیارے ہو گئے۔ وہ دردمند دل کے مالک تھے۔ مَیں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اوکاڑہ شہر کے ہر طبقہ سے تعلق رکھنے والے افراد اس کے غمزدہ باپ اور اہل خاندان سے تعزیت کے لئے چلے آرہے ہیں۔

یہ زندگی مستعار ہے۔ ایک دن ہر ایک نے اس فانی دُنیا کو چھوڑنا ہے۔ لیکن تشدد کے پجاریو! بچوں کو باپ کی شفقت اور بیوہ کو خاوند کی محبّت سے محروم کرنے والو۔ ہنستے بستے گھروں کو رُلانے والو! تمہیں علم نہیں مخلوق خدا کی عیال ہے۔ خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔ خدا کو وہی پیارا ہے جو اُس کی مخلوق سے احسان کا سلوک کرتا ہے! تمہیں یہ احادیث نہیں سُنائی جاتیں۔ تمہیں اسلام کی امن اور سلامتی کی تعلیم سے آشنا نہیں کیا جاتا؟ اسلام تو ہر شخص کی جان و مال و عزّت کی حفاظت کا ضامن ہے۔ پھر کیوں ہاتھوں میں خنجر لہراتے ہو۔ مسجدوں سے خدا کی توحید اور محبّت کی وعظوں کی بجائے کیوں تشدد کی تلقین کرتے ہو۔

یارو! اُس بینا خدا سے ڈرو! دلوں کے لئے مرہم مہیا کرو نہ کہ اُن میں خنجر اتارو۔ قدیر اور قادر خدا کی قدرت کے ہاتھوں سے کیوں خائف نہیں ہو۔ کہ اس کی گرفت بہت سخت ہے۔ بدامنی اور فتنہ نہ پھیلاؤ کہ یہ مسلمان کا شیوہ نہیں۔

اور اے جانے والے ناصر! تجھے خواہش تھی کہ خدا تجھ سے کوئی بڑا کام لے۔ دیکھ تو زندۂ جاوید ہوگیا۔ تیرا نام تاریخ احمدیت میں شہداء کی فہرست میں آویزاں ہوگیا۔ تجھ پر خدا کی ہزاروں رحمتیں ہوں۔ خدا تیرے پسماندگان کا متکفل ہو۔ وہ تیرے بوڑھے ماں باپ اور معصوم بچّوں کو صبر جمیل عطا فرماوے۔ وہ تیرے پسماندگان سے اس دُنیا میں اور تجھ سے اگلے جہان میں رحم وکرم کا سلوک کرے۔ تیرے درجات بلند فرمائے۔ تیری ساری آرزوئیں وہ قادر خدا پوری کرے۔

آمین یا ربّ العٰلمین

خونِ جگر

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے بھائی صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب امیر قادیان کو لکھا :-

"پیارے برادرم مرزا وسیم احمد صاحب - السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'
دعاؤں اور تمناؤں سے لبریز آپ کا پُرخلوص خط ملا۔ معلوم ہوتا ہے آپ بڑی گہری نظر سے ان انقلابی علامات کا مطالعہ کر رہے ہیں۔ جو محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے اور اِس کی تقدیرِ خاص کے تابع جماعت میں بڑی تیزی سے ظاہر ہو رہی ہیں۔ یہ ایک ایسے خوش آئند مستقبل اور عظیم رُوحانی انقلاب کا پتہ دے رہی ہیں۔ جن کو دیکھنے کے لئے نگاہیں ترس رہی ہیں اور جن کے عاشقانہ استقبال کیلئے میری آنکھیں فرشِ راہ بنی ہوئی ہیں۔

اپنے وجود کا ذرّہ ذرّہ میں اس راہ میں جھونک بیٹھا ہوں۔ اور دن رات میری تمنا اور یہی میری دُعا ہے کہ ساری جماعت اپنی ساری طاقتیں اور ایک عظیم اجتماعی ارادہ اور عزم کے ساتھ غلبۂ اسلام کی خاطر داؤ پر لگا دے۔ پھر یقیناً وہ انقلاب جو خوابوں کی طرح دستِ امکان کی پہنچ سے دُور دکھائی دیتا ہے۔ بڑی تیزی کے ساتھ ایک عظیم حقیقت بن کر ہماری طرف بڑھتا ہُوا نظر آئے گا۔
دُعاؤں کی بہت ضرورت ہے۔ جماعت قادیان اور جماعت ہندوستان کو بار بار اس حقیقت کی طرف توجہ دلائیں کہ اگر **وہ دعاؤں میں خونِ جگر بھر دیں گے تو اُن کے اعمال کی رگوں میں ایک نیا اور تازہ، پُرولولہ خون دَوڑنے لگے گا۔"**

یہ خط جہاں ہمارے فرائض کی طرف ہمیں توجہ دلاتا ہے۔ وہاں اُس تڑپ اور کیفیت کا اندازہ ہوتا ہے جو ہمارے پیارے امام کے دل میں ہے۔ یہ فقرہ رُوحوں کو گداز، دلوں کو لرزا دیتا ہے کہ " اپنے وجود کا ذرّہ ذرّہ میں اس راہ میں جھونک بیٹھا ہوں۔"

احادیث کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض صحابہ کوشش کرتے کہ وہ اپنی جدّوجہد، عبادت صوم وصلوٰۃ میں انتہا کر دیں۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دیکھو میں سوتا بھی ہوں۔ عبادت بھی کرتا ہوں۔ روزہ بھی رکھتا ہوں۔ افطار بھی کرتا ہوں۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کے بارہ میں تو خداوندکریم کا یہ ارشاد ہے کہ قد غفر اللہ لک ما تقدم من ذنبک وما تاخر لیکن ہمارے متعلق تو یہ نہیں آیا۔
اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ فرض شناسی کے بارہ میں کس حد تک جاتے تھے۔

جو کام ہمارے سپرد کیا گیا ہے۔ وہ جان جوکھوں کا کام ہے۔ یہ کوئی آسان کام نہیں۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اشاعت حق کے لئے کس طرح قربانیاں پیش کیں حضرت مسیح پاک علیہ السلام فرماتے ہیں۔ ؎

فدم الرجال لصدقہم فی حُبّہم ⁂ تحت السیوف اریق کالقربان

کہ صحابہ کرامؓ نے اپنے خلوص ووفا کا ثبوت اس طرح دیا کہ قربانیوں کی طرح اپنی گردنیں چھری کے نیچے رکھ دیں۔

حضرت ابو بکرؓ۔ عمرؓ۔ عثمانؓ۔ عبدالرحمٰنؓ بن عوف۔ طلحہؓ کی مالی قربانی سامنے رکھئے۔ طلحہؓ، ابوطلحہؓ، حرامؓ بن ملحان۔ زیدؓ بن دثنہ۔ انسؓ بن نضر کی جان سپاری ملاحظہ کیجئے۔

آج بھی اسلام کا غلبہ ہم سے عظیم قربانیوں کا تقاضا کرتا ہے۔ بے شک غلبہ اسلام خدا کی تقدیر ہے۔ لیکن خدا کی تقدیر کے ایفاء کے لئے ہمیں اپنی قربانیوں اور تدابیر کو انتہا تک پہنچانا ہوگا۔ مامورِ زمانہ فرماتے ہیں:۔

"اور سچائی کی فتح ہوگی اور اسلام کے لئے پھر اُس تازگی اور روشنی کا دن آئے گا۔ جو پہلے وقتوں میں آچکا ہے۔ اور وہ آفتاب اپنے پُورے کمال کے ساتھ پھر چڑھے گا۔ جیسا کہ پہلے چڑھ چکا ہے۔ لیکن ابھی ایسا نہیں۔ ضرور ہے کہ آسمان اسے چڑھنے سے روکے رہے۔ جب تک کہ محنت اور جانفشانی سے ہمارے جگر خون نہ ہوجائیں۔ اور ہم سارے آراموں کو اس کے ظہور کے لئے نہ کھو دیں۔ اور اعزاز اسلام کے لئے ساری ذلّتیں قبول نہ کرلیں۔ اسلام کا زندہ ہونا ہم سے ایک فدیہ مانگتا ہے وہ کیا ہے؟ ہمارا اسی راہ میں مرنا۔" (فتح اسلام صلا روحانی خزائن)

نزول سے مُراد

آئندہ شمارہ میں مکرم شیخ عبدالقادر صاحب لاہور نے حضرت امام مالکؒ کے نظریہ وفاتِ مسیح کے بارہ میں تحقیق پیش کی ہے۔ اِسی ضمن میں یہ مسئلہ بھی زیرِ بحث آتا ہے کہ جماعت احمدیہ جن بزرگوں کے اقوال وفاتِ مسیح کی تائید میں پیش کرتی ہے۔ وہ تو نزولِ مسیح کے بھی قائل ہیں۔ پھر کس قول کو ترجیح دی جائے۔

سو واضح ہو کہ نزولِ مسیح کے ہم بھی قائل ہیں لیکن نزول کے معنے آسمان سے اُترنا ——— آپ قرآن مجید میں اس لفظ کے استعمال پر غور فرمادیں۔ کہ یہ کن معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلّم کے بارہ میں فرماتا ہے ——— قد انزل اللّٰہ الیکم ذکرًا رسولاً۔ (الطلاق آیت ۱۱)

کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے شرف کا سامان یہ رسول اتارا ہے۔

لیکن اس کے باوجود وہ یہ کہتے ہیں ؎

یصد انداز یکتائی نہایت درجہ زیبائی ÷ امین بن کر امانت آمنہ کی گود میں آئی

کہ یہ نُور جس نے جہان کو منوّر کیا حضرت آمنہ کے بطنِ مبارک سے پھُوٹا ۔

آپ قرآن مجید میں پڑھتے ہیں ۔

وانزلنا الحدید فیہ باسٌ شدید ۔ (الحدید آیت ۲۰) ہم نے لوہا نازل کیا جس سے تم جنگی سامان تیار کرتے ہو۔

لیکن نکالتے تم یہ لوہا کانوں سے ہو۔

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتے ہیں :۔

یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَیْکُمْ لِبَاسًا یُّوَارِیْ سَوْاٰتِکُمْ وَرِیْشًا ۔ (الاعراف آیت ۲۷)

کہ اے بنی نوع انسان ہم نے تم پر لباس نازل کیا جو تمہاری زینت کا باعث ہے جس سے تم ستر عورت کرتے ہو۔

تو کیا یہ قمیص، پاجامے آسمان سے گرتے ہیں ۔ یا اس زمین پر انسان نے اپنی عقل خداداد سے اسے ایجاد کیا اور پتے اور کھالوں سے چھٹکارا حاصل کیا۔

گویا نزول کے معنے خدا کی نعمت کی عطا اور اس کی قطعیت ہے ۔ نہ کہ فضاؤں اور خلاؤں سے زمین پر گرنا۔

پس نزول سے مُراد یہ نہیں ہے کہ وہ بجسدہٖ العنصری آسمان پر موجود ہیں اور اسی جسم سے آسمان سے اُتریں گے ۔

الازہر کے رئیس استاذ محمود شلتوت اور حال میں الجزائر کے شہر تلمسان میں ہونے والی کانفرنس جس کی رپورٹ استاذ عزالدین بلیق نے اخبار الرأی (عمان) کے مارچ کے تین شماروں میں شائع کی ہے اور اس کی فوٹوسٹیٹ ہمارے پاس موجود ہے ۔انہوں نے یہ صراحت کی ہے کہ مسیح فوت ہو گئے اور آسمان سے اُن کا نازل ہونا محال ہے ۔

اور اس ملک میں بعض اہل قلم نے تسلیم کیا کہ یہ عقیدہ کہ وہ اس مادّی جسم کے ساتھ آسمان پر گئے ہیں ۔ اور وہ آسمان سے نازل ہوں گے ۔ یہ نصاریٰ سے مسلمانوں میں آیا ہے ۔

پس قرآن وحدیث کی روشنی میں لفظ نزول پر غور فرمائیں ۔ اس سے یہ مراد نہیں کہ وہ آسمان سے اُتریں گے ۔ جو آسمانی آقا کی طرف سے آتا ہے وہ آسمان سے آتا ہے ۔ قرآن کے کسی لفظ کا حل مقصود ہو تو دیکھیں وہ قرآن میں کہاں استعمال ہؤا اور کن معنوں میں ہؤا ÷

انصار اللہ احباب اپنے مرکزی سالانہ اجتماع میں شریک ہو کر رُوحانی فیض ، رحمتوں اور برکتوں سے اپنی جھولیاں بھر لیں ۔

(صدر مجلس انصار اللہ مرکزیہ ربوہ)

دِن میں پانچ مرتبہ اس کے میناروں سے اللہ کی وحدت اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے اعلان بلند ہوں گے

آج ہمارے دل اپنے ربّ کی حمد سے لبریز ہیں

سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے آسٹریلیا میں سب سے پہلی مسجد " المسجد بیت الہدیٰ " کی سنگِ بنیاد کے وقت انگریزی زبان میں جو خطاب فرمایا ادارہ انصاراللہ اس کے ترجمہ کی اشاعت کی سعادت پا رہا ہے۔ فالحمد للّٰہ علیٰ ذٰلک ——— (ادارہ)

تشہد، تعوذ اور تسمیہ کے بعد فرمایا:۔

اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّھُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ ۚ فِیْہِ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰھِیْمَ ۚ وَمَنْ دَخَلَہٗ کَانَ اٰمِنًا ؕ وَلِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْہِ سَبِیْلًا ؕ وَمَنْ کَفَرَ فَاِنَّ اللّٰہَ غَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ ۝ (آل عمران آیات ۹۷، ۹۸)

ترجمہ:۔ سب سے پہلا گھر جو تمام لوگوں کے (فائدہ کے) لئے بنایا گیا تھا۔ وہ ہے جو مکّہ میں ہے وہ تمام جہانوں کے لئے برکت والا (مقام) اور (موجب) ہدایت ہے۔ اس میں کئی روشن نشانات ہیں (وہ) ابراہیمؑ کی قیام گاہ ہے۔ اور جو اس میں داخل ہو وہ امن میں آجاتا ہے۔ اور اللہ نے لوگوں پر فرض کیا ہے کہ وہ اس گھر کا حج کریں (یعنی) جو (بھی) اس تک جانے کی توفیق پائے وہ (اس گھر کا حج کرے) اور جو انکار کرے تو (وہ یاد رکھے کہ) اللہ تمام جہانوں سے بے پرواہ ہے۔

احمدیّت کی تاریخ میں ایک نیا سنگِ میل

آج جب کہ ہم برّاعظم آسٹریلیا میں پہلی احمدیہ مسلم مسجد کا سنگِ بنیاد رکھنے کی غرض سے اکٹھے ہوئے ہیں۔ یہ دن جماعت احمدیہ

کی تاریخ میں ایک نئے سنگِ میل کا اضافہ کر رہا ہے۔ آج ہمارے دل اپنے ربّ کی حمد سے لبریز ہیں اور اُس کے احسان پر اُس کی حمد و ثنا کے ترانے گا رہے ہیں۔

بلاشبہ یہ دن آسٹریلیا کی تاریخ میں بھی ایک عظیم سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ کیونکہ ایک ایسی جماعت جو اس دور میں اللہ کی توحید کو تمام دُنیا پر غالب کرنے کا عزم لے کر اُٹھی ہے اس عظیم برّاعظم میں پہلی مرتبہ خدائے واحد و یگانہ کی پرستش کے لئے ایک گھر تعمیر کرنے کی توفیق پا رہی ہے۔ یہ پہلی اینٹ ہے جو خالصۃً لِلّٰہ اُس کی عبادت کی خاطر تعمیر ہونے والے اس گھر کی بنیاد میں رکھی جا رہی ہے۔ لیکن یہ اینٹ آخری اینٹ نہیں رہے گی اور نہ خدائے واحد کا یہ گھر آخری گھر ہو گا۔ بلکہ یہ تو خانہ ہائے خدا کے نہ ختم ہونے والے سلسلہ کا ایک نہایت عاجزانہ آغاز ہے۔

ان بنیادوں پر ایک ایسی عمارت بلند ہو گی

بظاہر یہ ایک عام سی بنیاد ہے جو مَیں رکھ رہا ہوں اور یہ مٹی میں دَب کر نظروں سے غائب ہو جائے گی لیکن ان بنیادوں پر ایک ایسی عمارت بلند ہو گی جو زمین پر ہوتے ہوئے بھی اپنی ذات میں ایک آسمانی عمارت ہو گی۔ اور جو عرش کے خدا تک رسائی پائے گی۔ دن میں پانچ وقت اس کے میناروں سے اللہ کی وحدت اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے اعلان بلند ہوں گے۔ اس مسجد کے مینارے اس مادّی دَور میں بسنے والے مَردوں اور عورتوں کو ان کا بھولا ہوا یہ سبق یاد دلائیں گے کہ اصل اور حقیقی رفعتیں مادّی ترقی سے نہیں بلکہ رُوحانی ترقی سے حاصل ہوتی ہیں۔

اَب جبکہ ہم یہاں ایک عمارت کی تعمیر کے لئے جمع ہوئے ہیں۔ ہمیں مادّی چیزوں میں شکست و ریخت اور ٹوٹ پھوٹ کے عمل کو فراموش نہیں کرنا چاہیئے۔ جونہی تعمیر مکمّل ہوتی ہے اُسی لمحہ سے شکست و ریخت کا عمل شروع ہو جاتا ہے۔ کوئی نہیں جو وقت اور زمانہ کے اس عمل کو روک سکے اور کوئی نہیں جو اس عمل کے منتہائے مقصود کو نیچا دکھا سکے۔ قرآن مجید زمانہ کے اس عمل کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے :-

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۝ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ۝

(الرّحمٰن آیات ۲۷ ، ۲۸)

ترجمہ :- اس (یعنی زمین) پر جو کوئی بھی ہے آخر ہلاک ہونے والا ہے۔ اور صرف وہ بچتا ہے جس کی طرف تیرے جلال اور عزّت والے خدا کی توجہ ہو۔

لیکن فنا کے اس ظاہری عمل سے کہیں بڑھ کر پُرہیبت اور پُرجلال وہ باطنی عمل ہے جو ایک زمانہ اور ایک دَور میں کار فرما نظریۂ حیات اور اس کی رُوح کو ملیامیٹ کر کے رکھ دیتا ہے۔

ازمنہ گذشتہ کی تہذیبوں کا سراغ

ازمنہ گذشتہ کی عظیم تہذیبوں کا اگر کچھ سراغ ملتا ہے تو مادّی عمارتوں کے بچے کھچے کھنڈرات سے ہی ملتا ہے۔ ان کے آدرش اور ان کے نظریات بے نشان ہوئے بغیر نہیں رہے۔ فراعنہ مصر کے تعمیر کردہ اہرام کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ ان میں سے بعض اہرام ریت کے نیچے دفن ہو گئے۔ کچھ نے کھنڈرات کی شکل اختیار کر لی۔ صرف چند ایک ہی ہیں جو آج بھی سربلند اور ایستادہ نظر آتے ہیں۔ لیکن کیا انہیں تعمیر کرانے والوں کے فلسفۂ حیات اور مطمح نظر کا درجہ رکھتے ہیں۔ نظریات کے بھی کہیں کوئی آثار ملتے ہیں؟ کوئی ایک ذی رُوح بھی آج ایسا ہے جو اُن کے نظریات پر عمل پیرا ہو؟ - ایک بھی نہیں! وہ سب فنا کی آغوش میں چلے گئے۔ کوئی خفیف ترین نشان بھی تو ان کا کہیں نظر نہیں آتا۔

مبارک گھر خانہ کعبہ کی عظمت

لیکن مصر کی ان عالی شان اور پُرشکوہ عمارتوں کے بالکل برعکس اس دُنیا میں ایک نہایت معمولی اور بظاہر بے ڈھنگے ساخت کے پتھروں کی ایک ایسی عمارت بھی بنائی گئی تھی جس کی کہانی دنیوی قوموں کی تعمیر کردہ عمارتوں کی کہانی سے بالکل مختلف اور جدا ہے۔ میری مراد چھ ہزار برس سے زائد عرصہ قبل تعمیر کئے جانے والے اُس قدیم گھر سے ہے جو اس دُنیا میں پہلی مرتبہ خالصۃً خدائے واحد و یگانہ کی عبادت کے لئے بنایا گیا۔ چنانچہ قرآن کریم اس عظیم اور منفرد واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے:۔

اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّھُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ۝ فِیْہِ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰھِیْمَ ۚ وَمَنْ دَخَلَہٗ کَانَ اٰمِنًا ط

یعنی وہ پہلا گھر جو زمین پر تمام بنی نوع انسان کے لئے خدائے واحد و یگانہ کی پرستش کی خاطر بنایا گیا وہ مکّہ میں ہے وہ گھر مبارک ہے۔ اور تمام انسانوں کی ہدایت کا موجب ہے اور اس کے ساتھ کھلے کھلے نشان وابستہ ہیں اور وہ ابراہیم کا مقام بھی ہے اور جو کوئی اس میں داخل ہوگا وہ یقیناً امن میں آجائے گا۔

اس گھر کا آغاز عظیم دنیوی قوموں کی یادگار تعمیرات کے آغاز سے مختلف تھا۔ کوئی شاہی خزانے اس کی تعمیر میں بے دریغ خرچ نہیں ہوئے۔ نہ کسی آرکیٹکٹ نے اپنے ذہن رسا کے زرخیز تخیّل میں اسے ڈیزائن کیا اور نہ کسی ماہر تعمیر نے اس کے عمارتی کام کی نگرانی کی۔ کسی غلام قوم سے اس کی تعمیر میں بیگار نہیں لی گئی۔ خدا کے اس پہلے گھر کا آغاز کمال سادگی اور عاجزی کا آئینہ دار تھا۔ تواریخ عالم میں اس عظیم واقعہ کا اشارۃً بھی تو ذکر نہیں ملتا۔ صرف قرآن ہی وہ کتاب ہے جس نے اس عمارت کے آغاز کا اجمالاً ذکر کیا ہے۔

یہ گھر بھی شکست و ریخت کی دست بُرد سے باہر نہ رہا۔ یہ بھی بالآخر منہدم ہوا۔ لیکن خدا تعالیٰ کی تقدیر نے اُسے معدوم نہ ہونے دیا۔ چنانچہ ایک عظیم الشان نبی یعنی ابراہیمؑ کے سپرد خدا تعالیٰ نے یہ کام کیا کہ وہ خدا کے اس گھر کو انہی قدیمی بنیادوں پر از سرِ نو تعمیر کریں۔ قرآن مجید اس خدائی تقدیر کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے :۔

وَ اِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَ اِسْمٰعِیْلُؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّاؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ○　(البقرة آیت ۱۲۸)

ترجمہ:۔ اور (اس وقت کو بھی یاد کرو) جب ابراہیمؑ اس گھر کی بنیادیں اٹھا رہا تھا۔ اور (اس کے ساتھ) اسمٰعیل بھی۔ (اور وہ دونوں کہتے جاتے تھے) اَے ہمارے ربّ ہماری طرف سے (اس خدمت کو) قبول فرما۔ تُو ہی (ہے جو) بہت سُننے والا (اور) بہت جاننے والا ہے۔

اِس طرح خدا تعالیٰ کی تقدیر نے یہ فیصلہ کیا کہ اسے کھنڈرات میں تبدیل نہ ہونے دیا جائے۔ اسے قدیمی بنیادوں پر از سرِ نو تعمیر کرنے کا وقت آ پہنچا تھا۔ خدا نے اس کی تعمیر کے لئے جن معماروں اور مزدوروں کا انتخاب کیا۔ ان کا تعمیر کے فن سے دُور کا بھی تعلق یا واسطہ نہ تھا۔ یہ معمار خدا کا برگزیدہ نبی ابراہیمؑ تھا اور مزدور اس کا اپنا نوعمر بیٹا اسمٰعیل تھا جو غالباً عُمر کے لحاظ سے ابھی اتنا پُختہ نہ ہُوا تھا کہ آجکل کے لیبر قوانین کے مطابق اسے مزدوری کی اجازت دی جاسکتی۔ یہ ایک ایسی عمارت کی تعمیرِ نو تھی جس کے متعلق یہ دعویٰ کیا گیا تھا کہ یہ دُنیا کی تمام عمارتوں سے زیادہ رفیع الشان ہوگی۔ اور اسے آباد کرنے اور آباد رکھنے والے عرش کے خدا سے باتیں کریں گے۔

اَے علوِّ مرتبت کے خواہاں انسانو !

سو گویا خانۂ خدا کی یہ عمارت ایک مجسّم صلائے عام تھی کہ اَے علوّ مرتبت کے خواہاں انسانو! اور اَے روحانی رفعتوں کے متلاشیو! اگر تم بھی اس بلندی تک پہنچنا چاہتے ہو جہاں عمارتیں اور ان عمارتوں میں بسنے والے آسمان سے بلکہ آسمان کے خدا سے باتیں کرتے ہیں۔ تو تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے اِدھر آؤ اور ان روحانی زمینوں کو طے کرو جن کے کواڑ یہ عمارت تم پر کھول رہی ہے۔ جب ہم اس پہلو سے ان واقعات پر ایک دفعہ پھر نظر ڈالتے ہیں تو یہ عقدہ حل ہو جاتا ہے کہ خانہ کعبہ کی تعمیرِ نو کے لئے ایک نبی اور اس کے بیٹے کو کیوں منتخب کیا گیا۔

خانۂ خدا کی یہ مادّی اور جسمانی تعمیر اپنی ذات میں فی الاصل ایک عظیم رُوحانی تعمیر کو آشکار کرنے والے ایک ظاہری نشان کی حیثیت رکھتی ہے۔ مقصود بالذات کوئی مادی تعمیر نہ تھی بلکہ اصل مقصود وہ روحانی عمارت تھی جو اس کے باطن میں تعمیر ہونا تھی۔ یہ ایک ایسی عمارت تھی جس کے لئے دُنیوی فنِ تعمیر کے ماہرین کی نہیں بلکہ روحانی فنِ تعمیر کے ماہرین کی ضرورت تھی۔ پس خدا تعالیٰ کی حکمتِ بالغہ نے ابراہیم کی صورت روحانی فنِ تعمیر کے ایک چوٹی کے ماہر کا انتخاب فرمایا۔ اور اس کی مدد کے لئے اس

کا تربیت یافتہ بیٹا یعنی اسمٰعیل اُسے عطا کیا۔ ایک ایسی عمارت کی تعمیر کے لئے اس سے بہتر معماروں کا انتخاب ممکن نہ تھا۔ یہ انتخاب تعمیر کے اصل مقصد کے عین مطابق تھا۔

وہ سادہ گھر جسے ابراہیم اور اس کے بیٹے اسمٰعیل نے خدائی حکم کے تحت از سر نو تعمیر کیا تھا۔ آج بھی پوری شان وشوکت کے ساتھ اپنی جگہ ایستادہ ہے اور اپنی اور اپنے اصل مقصد کی عظمت کو آشکار کر رہا ہے۔ جبکہ اس کے بالمقابل فراعنۂ مصر کے تعمیر کردہ بچے کھچے اہرام سراسر ویران اور متروک حالت میں عبرت کی ایک تصویر نظر آتے ہیں۔ ابراہیمؑ اور اسمٰعیل کے ہاتھوں تعمیر ہونے والا خدا کا دہی سادہ سا گھر آج خدائے واحد کے لاکھوں اور کروڑوں پرستاروں کا کعبۂ مقصود بنا ہُوا ہے اور ہر سمت سے وہ اس کی طرف دوڑے چلے آتے ہیں۔

خانہ کعبہ اور اہرامِ مصر

ان دو متقابل تعمیرات (یعنی خانہ کعبہ اور اہرامِ مصر) کی مختلف اور متضاد حیثیتوں سے ہمیں کیا سبق ملتا ہے؟ وہ کیا چیز ہے جس نے خدائے واحد کے اس سادہ سے گھر کو زندگی سے معمور کر رکھا ہے جبکہ فراعنۂ مصر کی عظیم یادگاری عمارتوں یعنی اہرامِ مصر پر ویرانی چھائی ہوئی ہے اور وہ حسرت و یاس کی تصویر بنے ہوئے ہیں؟ ایسا کیوں ہے کہ ایک عمارت کا پیش کردہ فلسفۂ حیات آج بھی زندہ ہے اور اپنے زندہ بخش ہونے کا ثبوت دے رہا ہے جبکہ دوسری عمارتیں جس فلسفۂ حیات کی آئینہ دار تھیں اُس کا نام ونشان بھی باقی نہیں ہے؟ یہ کیسے ممکن ہُوا کہ اوّل الذکر عمارت شکست وریخت اور انحطاط وزوال کے اصول کو شکست دینے میں کامیاب رہی۔ جبکہ مؤخر الذکر عمارتیں اور ان کے پیش کردہ فلسفے معدوم ہوئے بغیر نہیں رہے۔

ہامان کا تعمیر کردہ محل

جبکہ فی الوقت عمارتوں کا تذکرہ ہو رہا ہے۔ اس تسلسل میں ایک اور زبردست عمارت کا بھی ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ یہ وہ عمارت تھی جو اس غرض سے بلند کی گئی تھی کہ خدا کے وجود کو چیلنج کرے اور اللہ اور اللہ والوں کو نیچا دکھائے۔ قرآن کریم اس عمارت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے:۔

وَقَالَ فِرْعَوْنُ يَاأَيُّهَا الْمَلَأُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ إِلٰهٍ غَيْرِيْ فَأَوْقِدْ لِيْ يَاهَامٰنُ عَلَى الطِّيْنِ فَاجْعَلْ لِّيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْ أَطَّلِعُ إِلٰى إِلٰهِ مُوْسٰى وَإِنِّيْ لَأَظُنُّهٗ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ (القصص آیت ۳۹)

یعنی فرعون نے اپنے سرداروں سے کہا کہ مجھے تو اپنے سوا تمہارا اور کوئی معبود نظر نہیں آتا۔ (پھر یہ موسیٰ نہ جانے کس خدا کی باتیں کر رہا ہے) پس اَے ہامان! میرے لئے مٹی کو پختہ کرنے کے لئے آگ بھڑکاؤ

اور ایک بلند وبالا عمارت تیار کرو تاکہ میں ذرا موسیٰ کے خدا کو دیکھوں تو سہی۔ لیکن امر واقعہ یہی ہے کہ میں اسے جھوٹا سمجھتا ہوں۔

قرآن کریم کی یہ آیت نہ صرف اس واقعہ کا ذکر کر رہی ہے جو آج سے قریباً ۳۳۰۰ سال پہلے گذرا۔ بلکہ ایک ایسے مادہ پرست انسان کی نفسیاتی حالت اور ذہنی کیفیت کا نقشہ کھینچ رہی ہے جس کے دماغ میں تکبّر کے زیر اثر یہ سودا سمایا ہوا ہو کہ وہ انسانی حدود و قیود سے آزاد ہو چکا ہے اور اس کا علم، غیب و شہود یعنی ہر حاضر و غائب پر حاوی ہے۔ چنانچہ عصر حاضر یعنی خود ہمارے زمانہ میں بھی اسی نفسیاتی حالت اور ذہنی کیفیت کا مظاہرہ اُس وقت دیکھنے میں آیا جبکہ ایک عظیم مادّی طاقت کے خلانورد نے اپنی معمولی سی خلائی چھلانگ کے نشہ میں بے قابو ہو کر یہ تعلّی کی کہ میں تو خلا میں ہر طرف دیکھ آیا ہوں مجھے کسی خدا کا کوئی نشان کہیں نظر نہیں آیا۔

اس لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو آج کے زمانہ کے راکٹ بھی گزرے ہوئے زمانہ کی سر بفلک عمارتوں کی طرح انسان کو اپنی جھوٹی عظمت اور بے حقیقت سرفرازی کے زُعم میں مبتلا کرنے کا ذریعہ بنے ہوئے ہیں۔ لیکن اس زمانہ کے انسان کا یہ تفاخر بھی اسی طرح عارضی اور لاشئی ہے جس طرح گزری ہوئی قوموں کا تفاخر تھا۔ پس قرآن مجید اُس عمارت کا ذکر کر کے دراصل غرور میں مبتلا اُسی مادہ پرستانہ ذہنیت کو آشکار کر رہا ہے جو ماضی میں ہمیشہ ہی مذہب سے نبرد آزما رہی ہے اور آئندہ بھی ہمیشہ نبرد آزما رہے گی۔ یہی وہ مادّہ پرستانہ ذہنیت ہے جو اپنی مادّی آنکھ سے مذہب کی روحانی اقدار کو جانچنے اور پرکھنے پر اصرار کرتی ہے۔ لیکن تاریخ مذاہب سے ہمیں یہ غیر فانی سبق ملتا ہے کہ ہمیشہ کی طرح آج بھی اور کل بھی ان مادّی طاقتوں کے مقدر میں شکست اور نامرادی لکھی جائے گی۔

موسیٰؑ کیسے کامیاب ہوئے

کوئی مادّی فلسفہ وجہ نہیں بیان کر سکتا کہ غریب، بے یار و مددگار اکیلا موسیٰؑ مصر کے با جبروت حاکم یعنی فرعون کو جو بجز اپنے کسی خدا کا قائل نہ تھا۔ شکست دینے اور نیچا دکھانے میں کیسے کامیاب ہوا؟۔ سوچنے کی بات ہے کہ موسیٰؑ ایسا بے کس انسان جو غریب اور بے حیثیت ماں باپ کے گھر پیدا ہوا تھا کب یہ گمان کر سکتا تھا کہ ایک دن وہ فرعون ایسے طاقتور بادشاہ کو ہار ماننے اور بے بس ہونے پر مجبور کر دے گا؟ آج فرعونِ مصر منفتاح اور ہامان کی بنائی ہوئی عمارت کا کوئی نشان نظر نہیں آتا جو اس غرض سے بنائی گئی تھی کہ آسمان کی بلندیوں کو چھو کر ذرا موسیٰ کے خدا کی خبر لے آئیں۔ کیا یہ تعجّب کی بات نہیں ہے کہ منفتاح سے پندرہ پُشت قبل کے فراعنہ مصر کی بنائی ہوئی بعض عمارتیں اہرام کی شکل میں آج بھی موجود ہیں۔ لیکن اگر نشان نہیں ملتا تو اُس عمارت کا جو آسمان کے خدا سے پوچھ گچھ کرنے کے لئے بڑے گھمنڈ اور تکبّر سے بنائی گئی تھی۔ وہ ایسی پیوندِ خاک ہوئی جیسے کبھی بنائی ہی نہ گئی ہو۔ اگر اس کے وجود کا کچھ پتہ ملتا بھی ہے تو صرف اس بات

سے کہ وہ معدوم ہو چکی ہے۔

لیکن قطع نظر اِس سے کہ وہ عمارت کب اور کہاں بنی اور کتنی بلندی تک پہنچی اور کب مسمار ہوئی ایک بات قطعی اور یقینی ہے اور وہ یہ کہ خدا کے ایک غریب اور عاجز اور بے کس بندہ کے مقابل پر جب ایک صاحبِ جبروت اور دنیوی عظمتوں کا حامل ایک عظیم بادشاہ آیا اور اس سے ٹکر لینا چاہی تو وہ ذلت آمیز شکست سے دوچار ہوئے بغیر نہ رہا۔ اس کی اپنی تہذیب مٹ گئی اُس کا تمدن قصۂ پارینہ بن گیا۔ اس کا تکبر خاک میں مل گیا۔ اس کے دعویٔ خدائی کا ایسا عبرتناک انجام ہُوا کہ آج روئے زمین پہ ایک متنفس بھی ایسا نہیں جو اُس کو خدا تسلیم کرنا تو درکنار اس کی طرف منسوب ہونا بھی اپنے لئے باعثِ فخر سمجھے۔ لیکن خدا کا بندہ موسیٰؑ آج بھی زندہ ہے۔ وہ خاک نشین ایسی رفعتیں پا گیا جس تک فرعون کی اونچی سے اونچی تصوّراتی جست اور چھلانگ بھی نہیں پہنچ سکتی تھی۔ آج موسیٰؑ کے دعوے کو دُنیا کی تین عظیم ترین مذہبی قومیں تسلیم کرتی ہیں۔ اُس کے بلند مرتبہ کا اقرار کرتی ہیں۔ اور ادب و احترام سے اس کا نام لیتی ہیں۔ مرورِ زمانہ کے ساتھ ساتھ اُس کی عظمت میں کمی آنے کی بجائے مزید وسعت اور مزید رفعت پیدا ہوتی چلی جا رہی ہے۔

ان حالات کی طرف متوجہ کر کے قرآن کریم ہمارا ذہن اس ازلی ابدی سچائی کی طرف مبذول کرواتا ہے کہ مادی اقتدار اور ترقیات کے مقابل پر محض بے حقیقت اور لاشئے ہیں کیونکہ ان کا پیغام مُردہ ہے جبکہ مذہبی اقدار کے اندر ایک زندہ رُوح کارفرما ہوتی ہے۔

بیّن فرق

خدائے واحد کی عبادت کے لئے تعمیر ہونے والے پہلے گھر کی طرف عود کرتے ہوئے ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اِس معمولی اور ظاہری لحاظ سے بے حقیقت عمارت پر بھی اگرچہ امتدادِ زمانہ نے اپنے سب حربے استعمال کئے اور فنا کا ہاتھ اگرچہ اس پر بھی اسی طرح مصروفِ عمل رہا جس طرح دُنیا کی دوسری عالیشان عمارتوں پر جو محض مادی اغراض کے لئے بنائی گئی تھیں اور اگرچہ اسے بھی پرانی بنیادوں پر از سرِ نو تعمیر کیا گیا۔ تاہم خدا کے اس گھر کی معمولی سی عمارت میں اور تمام دنیوی عمارتوں میں ایک فرق بڑا بیّن اور واضح ہے اور وہ یہ کہ دنیوی عمارتوں میں سے ایک بھی تو ایسی نہیں جو اپنے مقام اور مقاصد کے اعتبار سے زندہ ہو۔ اہرامِ مصر تو ہیں مگر بے جان لاشئے کی طرح۔ ان کے جسم سے عہدِ فرعونی کی رُوح پرواز کر چکی ہے۔ یہ ایسی حنوط شدہ لاشوں کی طرح ہیں جن کے بدن رُوح سے خالی ہوں۔ ان عمارتوں کی حیثیت ایسے غیر آباد گھونسلوں کی سی ہے جن میں بسیرا کرنے والے پرندے ہمیشہ کے لئے ان سے پرواز کر گئے ہوں۔ فراعنہ مصر کے وہ مقاصد جو اُن عمارتوں کے ساتھ وابستہ تھے ہزارہا برس پہلے مر چکے ہیں۔ آج کون ہے جو فراعنہ مصر کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرنا پسند کرتا ہے اور کون ہے جو اُن کی ناموس کے لئے غیرت رکھتا ہو یا ان کی خاطر کٹ مرنے کو تیار ہو؟

کعبہ سے بلند ہونے والی اذان

اَب ذرا اس کے مقابل پر خانہ کعبہ کو از سر نو تعمیر کرنے والے ابراہیم کو دیکھو اُس کے مقدس ہاتھوں کی ظاہری تعمیر آج بھی اسی طرح محفوظ ہے۔ یہی نہیں بلکہ اُس کی حدود نئی وسعتوں سے اور اُس کی عمارت نئی سر بلندیوں سے ہمکنار ہوتی چلی آرہی ہے۔ یہ آج بھی زندہ ہے اور اپنی زندگی کا پہلے سے کہیں بڑھ کر ثبوت دے رہی ہے۔ یہی حال ان مقاصد کا بھی ہے جو اس کی تعمیر کے ساتھ وابستہ کئے گئے تھے۔ وہ پہلے سے کہیں بڑھ کر شان کے ساتھ زندہ اور سر بلند ہیں۔ آج موسیٰ کی پیروی کرنے والے اپنے آپ کو ابراہیمؑ کا بھی پیروکار ظاہر کرتے ہیں۔ اسی طرح مسیح کے ماننے والے بھی یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ ابراہیمؑ کے پیروکار ہیں۔ لیکن دوسروں سے کہیں بڑھ کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین اپنے آپ کو ابراہیم کی طرف منسوب کرتے ہیں اور ابراہیم کا پیرو شمار ہونے میں ایک گونہ فخر محسوس کرتے اور مسرت کا اظہار کرتے ہیں۔ آج دن میں پانچ دفعہ بلند ہونے والی اذان پر کروڑوں لوگ (جن کی تعداد میں مسلسل اضافہ ہوتا چلا آرہا ہے) کعبہ کی طرف مُنہ کرکے نماز پڑھتے ہیں اس کے میناروں سے دی جانے والی اذان جو کبھی صرف قرب و جوار میں بسنے والوں تک ہی پہنچتی تھی ایّام حج میں اتنی بلند ہو جاتی ہے کہ دنیا کے کونہ کونہ اور بستی بستی میں سنائی دیتی ہے اور چاروں طرف سے کرۂ ارض کو گھیر لیتی ہے اور دُنیا کے کونہ کونہ سے کروڑہا بندگانِ خدا اس آواز کا جواب دیتے ہوئے اقرار کرتے ہیں کہ :-

لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ ، لَاشَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ لَكَ الْحَمْدُ وَالنِّعْمَةُ لَبَّيْكَ

اے ہمارے اللہ ہم حاضر ہیں، ہم حاضر ہیں۔ تیرا کوئی شریک نہیں۔ ہم حاضر ہیں۔ سب تعریف تیرے ہی لئے ہے اور ہر نعمت تجھ سے ہے ہم تیرے حضور حاضر ہیں۔

لیکن فرعون کی آواز بند ہو گئی

لیکن اس کے بالمقابل فرعون کی وہ آواز ہمیشہ کے لئے بند ہو گئی جو ایک دن بڑے تکبّر سے یہ کہہ رہی تھی کہ "اے ہامان! مٹی کو پختہ کرنے کے لئے آگ جلاؤ اور ایک بلند و بالا عمارت تیار کرو تاکہ مَیں بھی ذرا دیکھوں تو سہی کہ موسیٰ کا خدا کن بلندیوں میں بستا ہے۔ لیکن امر واقعہ یہی ہے کہ مَیں موسیٰ کو جھوٹوں میں شمار کرتا ہوں۔"

پس آج یہ کہنا کہ جس گھر کا سنگِ بنیاد رکھنے کے لئے ہم اس وقت جمع ہوئے ہیں یہ اپنی رفعتوں میں اونچی سے اونچی اور بلند سے بلند انسانی تعمیر سے بھی بلند تر ہے اور دنیوی اغراض کے لئے انسانی ہاتھوں کا بنایا ہوا کوئی بلند سے بلند مینار بھی خدائے واحد کے اس گھر کے قدموں کو نہیں چھو سکتا، بلکہ ہمالہ کی چوٹیاں بھی اس کے مقابل پر کوتاہ قامت ہیں تو یہ کوئی

مبالغہ نہیں۔ بلکہ یہ تو مذہب کی اصطلاحیں ہیں جو مادّی نہیں بلکہ روحانی معنی رکھتی ہیں۔ لیکن یہ اصطلاحیں محض فرضی اصطلاحیں اور خوش فہمی کے قصّے نہیں بلکہ باقی رہنے والی ٹھوس حقیقتوں اور تاریخی شواہد پر مبنی ہیں ۔

ایک سوال کا جواب

ایک بات مَیں نے اس خطاب کے آغاز میں ایسی کہی تھی جو آسٹریلین کانوں کو بہت عجیب لگی ہوگی ۔ وہ بات مَیں نے یہ کہی تھی کہ آج کا دن صرف جماعت احمدیہ کی تاریخ میں ہی نہیں بلکہ آسٹریلیا کی تاریخ میں بھی ایک عظیم اور منفرد تاریخی دن ہے ۔ شائد کوئی سُننے والا یہ سوچے کہ یہ محض ایک فضول تعلّی ہے ۔ نہ تو آسٹریلیا میں تعمیر ہونے والی یہ پہلی مسجد ہے ۔ نہ ہی باشندگانِ آسٹریلیا کے نزدیک مساجد تعمیر کرنے کی کوئی اہمیّت ہے خواہ وہ چھوٹی ہوں یا بڑی ۔ اہلِ آسٹریلیا نے نہ پہلے کبھی ان معمولی واقعات کا نوٹس لیا ہے نہ مستقبل قریب میں آئندہ کبھی لیں گے ۔ پھر اس مسجد کو بطورِ خاص وہ کون سا امتیاز حاصل ہے جس کے سنگِ بنیاد کا دن آسٹریلیا کی تاریخ میں ایک عظیم سنگِ میل شمار کیا جائے اور ایک اہم تاریخی دن کے طور پر یاد رکھا جائے ۔

آپ کا یہ حق ہے اور مجھ پر یہ لازم ہے کہ اس دعوے کی وضاحت کروں لیکن پہلی بات جو مَیں آپ کے گوش گذار کرنا چاہتا ہوں ۔ وہ آپ کے تعجّب کو کم کرنے والی نہیں بلکہ اس میں مزید اضافہ کرنے والی ہوگی ۔ شاید آپ کو یہ معلوم نہ ہو کہ جماعت احمدیہ جو آج اس مسجد کی تعمیر کا آغاز کر رہی ہے ایک ایسی جماعت ہے جسے مسلمانوں کے اکثر دوسرے فرقے مسلمان تسلیم نہیں کرتے حتیٰ کہ پاکستان میں بھی جہاں اس جماعت کا عالمی ہیڈ کوارٹر ہے اس جماعت کو ۱۹۷۴ء سے مسلمان تسلیم نہیں کیا جاتا ۔ اس علم کے بعد تو اس مسجد کی تعمیر اہلِ آسٹریلیا کو اور بھی زیادہ معمولی اور بے حقیقت دکھائی دے سکتی ہے جس طرح کسی بے نام مفلس کی جھونپڑی کی تعمیر افراد کی دُنیا میں کوئی قابلِ ذکر واقعہ نہیں ہوتا اسی طرح ایک ایسی جماعت کی مسجد کی تعمیر بھی قوموں کی نظر میں کوئی اہمیّت نہیں پاتی جسے خود اپنے ہم مذہبوں نے اپنے میں سے خارج کر دیا ہو ۔ جسے اس بنیادی حق سے بھی محروم کیا جا رہا ہو کہ وہ اپنے مذہب کا نام خود رکھ سکے ۔ یہ بات کتنی ہی عجیب کیوں نہ ہو یہ ایک حقیقت ہے کہ جس مذہب کی عظمت اور جلال کے لئے وہ تمام دُنیا میں جان ، مال ، وقت اور عزّت کی قربانیاں پیش کر رہی ہو خود اسی مذہب کے ماننے والوں کی اکثریت کی نظر میں وہ متروک و مردود ہو ۔ بایں ہمہ اس جماعت کا سربراہ آسٹریلیا کی سرزمین میں اپنی پہلی غریبانہ مسجد کی تعمیر کے دن یہ دعویٰ بھی کر رہا ہو کہ آج کا دن آسٹریلیا کی تاریخ میں بھی ایک عظیم تاریخی حیثیت رکھتا ہے ۔ آخر کیوں اور کیسے ؟ یہ معمّہ سلجھانے اور آپ کو سمجھانے کے لئے ضروری ہے کہ مَیں مختصر الفاظ میں پہلے جماعت احمدیہ کا تعارف کرواؤں اور اس اَمر سے آگاہ کر دوں کہ اس کے قیام کی غرض و غایت کیا ہے ۔

جماعت احمدیہ وہ واحد جماعت ہے

جماعت احمدیہ اسلام کی طرف منسوب ہونے والے اور مسلمانی کا دعویٰ کرنے والے تمام فرقہ ہائے اسلام میں وہ واحد

جماعت ہے جس کا بانی اس زمانہ میں خدا کی طرف سے مبعوث اور مامور ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اور یہ دعویٰ کرتا ہے کہ مَیں وہی مسیح اور وہی مہدی ہوں جن کے بارہ میں بانیٔ اسلام حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلّم نے اپنی اُمت کو یہ خوشخبری دی تھی کہ وہ آخری زمانہ میں ظاہر ہوکر مسلمانوں کی حالت زار کا علاج کریں گے اور بگڑی ہوئی حالت کو سدھاریں گے اور از سرِ نو اسلام کو ایک نئی قوت اور نئی شان کے ساتھ زندہ کریں گے اور تمام ادیانِ عالم پر اسلام کے آخری فیصلہ کن غلبہ کے لئے ایک عالمی روحانی جہاد کی مہم کا آغاز کریں گے۔

بانیٔ سلسلہ احمدیّہ کا دعویٰ

جماعت احمدیّہ کے مقدس بانی کا نام مرزا غلام احمد قادیانی تھا۔ آپ نے دعویٰ کیا کہ یہ ایک تمثیلی پیشگوئی ہے اور یہ کہ مہدی اور مسیح دو الگ وجود نہیں بلکہ ایک ہی وجود کے دو نام ہیں۔ آپ نے یہ بھی دعویٰ کیا کہ مسیح ابن مریم حقیقی معنوں میں اللہ کے بیٹے نہیں تھے بلکہ یہ لفظ ان کے حق میں محض اللہ کے پیار کے اظہار کے لئے بولا گیا۔ وہ انسانوں میں سے ایک انسان تھے لیکن مرتبے میں بہت بلند، کیونکہ خدا کے ایک خاص برگزیدہ رسول تھے۔ رسول کی حیثیت میں اللہ تے اپنی تائید کا یہ نشان ان کو دکھایا کہ صلیب کے چنگل سے نجات بخشی اور صلیب پر مرنے نہیں دیا۔ بلکہ وہ بے ہوشی کے عالم میں صلیب سے اتارے گئے۔ اور بہت جلد شفایاب ہوکر بنی اسرائیل کی گم شدہ بھیڑوں کی تلاش میں فلسطین سے مشرق کی طرف ہجرت کر گئے۔ لیکن بحیثیت انسان وہ موت سے بالا نہ تھے اور بالآخر اپنے مشن کی تکمیل کے بعد دیگر انبیائے مقدسہ کی طرح وہ بھی طبعی طور پر وفات پاکر اس دُنیائے فانی سے رخصت ہوئے۔

جماعت احمدیّہ کے مقدّس بانی نے دعویٰ کیا کہ مسیح کے دوبارہ آنے کی خوشخبری محض تمثیل ہے یعنی کسی آنے والے وجود کو تمثیلی طور پر مسیح کا نام دیا جانا مقصود تھا۔ جیسے اس سے پہلے یوحنا بپتسمہ دینے والے کو بھی ایلیاہ کا نام دیا گیا۔ پس آپ کا دعویٰ یہ تھا کہ مَیں ہی وہ تمثیلی مسیح اور مَیں ہی وہ مہدی ہوں جس نے آخری زمانہ میں اسلام کے غلبہ کے لئے ظاہر ہونا تھا۔

آپ کے اس دعویٰ کو مسلمانوں کی اکثریت نے ردّ کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے ماننے والوں کو بعض اسلامی ممالک میں دوسری مسلمان اکثریت کی طرف سے "ناٹ مسلم" قرار دیا جا چکا ہے۔ لیکن قطع نظر اس سے کہ اللہ کی نظر میں سچا اور حقیقی مسلمان کون ہے اور محض نام کا مسلمان کون، اس حقیقت سے انکار نہیں ہو سکتا کہ مسلمانوں میں سے آج صرف ہماری جماعت ہی ہے جو خدائی جماعت ہونے کی دعویدار ہے۔ یہ ہر قسم کی مخالفتوں اور اس کے خلاف روا رکھے جانے والے تشدّد کے باوجود تمام عالم میں تبلیغ اسلام کا جال بچھائے ہوئے ہے۔

اس کے مقابل پر دیگر تمام مسلمان کہلانے والے فرقے غلبۂ اسلام کی عالمی مہم کے لئے مستقبل کے کسی ایسے خوش نصیب

دن کی طرف دیکھ رہے ہیں جب دو ہزار برس کا معمّر مسیح آسمان کے کسی گوشہ سے دو فرشتوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھے نازل ہوگا اور بعد نزول وہ اور امام مہدی اپنی متفقہ کوششوں سے اسلام کو سب دُنیا پر غالب کرنے کی مہم کا آغاز کریں گے اور مسلمانوں کو تمام دُنیا کی سلطنتوں اور خزانوں کی چابیاں چاندی کی طشتری میں سجا کر پیش کر دیں گے۔ اس بارہ میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ یہ دُور کے سہانے ڈھول ہیں یا اُن کی حیثیت سنہری خوابوں سے زیادہ نہیں ہے۔

حقیقتِ حال

جہاں تک حقیقتِ حال کا تعلّق ہے یہ بات تو بہرحال مُسلّم ہے کہ آج دُنیا کے پردہ پر صرف ایک ہی جماعت ہے، جس کا دعویٰ یہ ہے کہ آسمانی نوشتوں میں جس جماعت کے لئے غلبہ اسلام مقدّر تھا۔ وہ یہی جماعت ہے اور وہ ساعت سعد آچکی ہے جو اسلام کے غلبۂ نَو کی ساعت ہے۔ اُس مہم کا آغاز ہو چکا ہے جس نے عالمی انقلاب برپا کرنا تھا۔

اگر یہ جماعت اپنے اس دعویٰ میں سچّی ہے۔ اگر حقیقتاً اللہ تعالیٰ ہی نے اس غریب اور بے نوا جماعت کو اُس آخری انقلابِ عظیم کے لئے چُن لیا ہے جس نے بالآخر دُنیا کی تقدیر بدل دینی ہے۔ اور مذہبی اور فرقہ وارانہ منافرتوں کا قلع قمع کر کے انسان کو ایک دفعہ پھر اخوّت اور محبت اور ایثار اور انکسار کے درس دینے ہیں تو یہ جماعت جس نے بّرِ اعظم یا ملک یا قوم میں بھی پہلی مرتبہ اپنے قدم جمائے گی اور رُوحانی انقلاب کی عظیم مہم کا آغاز کرے گی بلاشُبہ وہ دن اُس بّرِ اعظم یا مُلک یا قوم کی تاریخ میں ایک عظیم تاریخی دن ہوگا اور ایک ایسا عجیب سنگِ میل ہوگا جو ہم عصر انسان کی نظر سے اوجھل ہونے کے باوجود مستقبل کے انسان کی آنکھ کو بہت بڑا اور نمایاں اور روشن ہو کر دکھائی دے گا۔ اور امتداد زمانہ اس کی عظمت کو کم کرنے کی بجائے اُس کی عظمت و شان کو بڑھاتا چلا جائے گا۔

حیرت انگیز مابہ الامتیاز

مادّی اور مذہبی دُنیا کی تاریخ میں یہی تو ایک حیرت انگیز مابہ الامتیاز ہے کہ دُنیاوی قوموں کی عظمت کو گزرتا ہُوا وقت دُھندلاتا اور مدہم کرتا چلا جاتا ہے۔ بڑھتے ہوئے وقت کے فاصلے اُن کی حیثیت کو چھوٹا اور خفیف سے خفیف تر دکھانے لگتے ہیں۔ لیکن مذہبی قوموں کی عظمت کا حال اس کے برعکس ہے۔ وہ واقعہ جو بظاہر اتنا چھوٹا اور اتنا معمولی ہوتا ہے کہ ہمعصر مؤرخ کی آنکھ اس کو دیکھ بھی نہیں سکتی۔ آنے والی نسلوں کو وہ بڑا ہو کر دکھائی دینے لگتا ہے اور گذرتا ہُوا وقت اُسے چھوٹا دکھانے کی بجائے بڑھاتا چلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اُس کی عظمت اپنے زمانہ کے ہر دوسرے واقعہ کو ڈھانپ لیتی ہے اور اُس کی روشنی ہر دوسری روشنی کو ماند کر دیتی ہے۔ یہاں تک کہ ایک وقت آتا ہے کہ صرف یہی ایک روشنی اپنی چمک دکھلا رہی ہوتی ہے۔ اور ہر دوسری حقیقت مدہم اور بے حقیقت ہو کر بجھتی چلی جاتی ہے۔

عاجزانہ آغاز کا انجام کیا ہے

دیکھو جب مسیحیت کا آغاز ہوا تو نصف کرۂ ارض کو رُومی سلطنت کی عظمت اور جلال نے ڈھانپ رکھا تھا اور واقعہ صلیب اس کے مقابل پر ایسا مدہم اور بے نُور اور بے حقیقت تھا کہ اس واقعہ کے دوران تو درکنار ۴۳ سال بعد تک بھی کسی رُومی تاریخ یا تحریر یا دستاویز میں اس کا اشارۃً بھی کوئی ذکر نہیں ملتا۔ لیکن آج جب ہم مُڑ کر دیکھیں تو واقعہ صلیب کی روشنی اُفق تا اُفق تمام سلطنت روما پر چھائی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ بلکہ اس زمانہ میں روئے ارض پر رونما ہونے والا سب سے زیادہ اہم اور جلیل القدر اور روشن واقعہ آغازِ مسیحیت میں ہی دکھائی دیتا ہے گویا وقت کا بوڑھا مصوّر دو ہزار سال سے پیہم اس عمل میں مصروف ہے کہ عصر کیسے ہر دوسرے نقش کو مدہم کرتا اور مٹاتا چلا جائے اور آغازِ مسیحیت کو ہر لحہ پہلے سے بڑھ کر اُجاگر کرتے ہوئے اُس میں نئے رنگ بھرتا رہے۔ پس اگر جماعت احمدیہ وہی جماعت ہے جو اُمّتِ محمدیہ میں پیدا ہونے والے مسیح ثانی نے قائم کرنی تھی تو آج آسٹریلیا کے اس عظیم برّاعظم میں احمدیہ مُسلم مشن کا آغاز بلاشبہ آسٹریلیا کی تاریخ کا عظیم ترین واقعہ ہے۔ مَیں جانتا ہوں کہ میرے اس دعویٰ کو باور کرنے کی راہ میں ایک بہت بڑا "اگر" حائل ہے۔ یہ تو آنے والا وقت ہی بتائے گا کہ اس غریبانہ اور عاجزانہ آغاز کا انجام کیا ہے۔ لیکن مجھے اتنا ضرور کہنے دیجئے کہ اہلِ بصیرت اور اولوالالباب کسی صداقت کو پہچاننے کے لئے مستقبل کا انتظار نہیں کیا کرتے۔ انہیں اس ننھے سے بیج میں ہی وہ آثار دکھائی دیتے ہیں جو ایک عظیم درخت کا خاکہ اپنے اندر رکھتا ہے۔ وہ شفقِ صبح کی پیش رَو علامتوں ہی سے بھانپ لیتے ہیں کہ کتنے بڑے اور روشن دن کی صبح طلوع ہونے والی ہے۔

آپ اہلِ آسٹریلیا جو اس وقت میرے مخاطب ہیں۔ شائد اپنی تاریخ کے حوالے سے میری بات کو آسانی سے سمجھ سکیں۔ اس لئے آیئے اَب مَیں آپ کو یہ بتاؤں کہ آسٹریلیا کی سابقہ تاریخ کے پس منظر میں آج کے دن کی کیا حیثیت ہے۔

رُوحانی اور مذہبی دریافت کا پہلا دن

میرے نزدیک یہ دن آسٹریلیا کی روحانی اور مذہبی دریافت کا پہلا دن ہے۔ گویا آج ہم نے آپ کو اعلیٰ مذہبی اور رُوحانی اقدار سکھانے کی غرض سے از سرِنو دریافت کیا ہے۔ پس اِس دن کو اُس دن سے ایک گونا مناسبت ہے جس دن کیپٹن جیمز کُک[1] نے آسٹریلیا کو از سرِنو دریافت کیا تھا۔ گو اس سے پہلے ولندیزی اور پُرتگالی ملاح اُسے دریافت کر چکے تھے لیکن کیپٹن جیمز کُک وہ شخص ہے جس نے انگلستان کی نوآبادی کے طور پر اسے از سرِنو دریافت کیا۔ اُسی طرح

---

1. WORLD MARK ENCYCLOPEDIA OF THE NATIONS VOL: 4. PAGE 13

آج جماعت احمدیہ آپ کو اسلام کے لئے از سر نو دریافت کر رہی ہے اور دَم نہیں لے گی جب تک اس پورے برّاعظم کو محبّت اور پیار اور عقل و دانش اور مضبوط عقلی و نقلی دلائل کے ساتھ جیت نہ لے۔

رُوحانی فتح کا پروگرام

- یہ ایک روحانی فتح کا پروگرام ہے جس کا جغرافیائی اور سیاسی غلبہ سے کوئی دُور کا بھی تعلّق نہیں۔
- یہ ایک دل جیتنے کا منصوبہ ہے جس کا جبر و اکراہ سے کسی قسم کا واسطہ نہیں۔
- یہ ایک عقل اور دلیل کی جنگ ہے جس کا تیر و تفنگ اور توپوں اور راکٹوں سے کوئی بعید کا بھی علاقہ نہیں۔
- یہ امن کا پیغام ہے جو دلوں کی راجدھانی سے تعلق رکھتا ہے۔
- یہ ایک نئی تہذیب اور نئے تمدّن کے نفاذ کا سوال ہے جو اِس زمانہ کے تمام مسائل کا حل اور اس مادّی دَور کی ہر بے چینی کا علاج پیش کرتا ہے۔
- یہ انسان کو از سرِ نو انسانیت کی اعلیٰ اقدار سکھانے اور اُسے حیوانی سطح سے ایک مرتبہ پھر انسانی سطح تک بلند کرنے کی ایک مہم ہے جو سخت جانکاہی اور جاں سوزی اور صبر اور استقلال کا تقاضا کرتی ہے۔
- یہ انسان کو انسانیت سکھانے کے بعد اُسے اپنے ربّ اور خالق سے ملانے کا ایک عظیم پروگرام ہے جو صرف اُس دُنیا میں ہی وصلِ خداوندی کے وَعدوں پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ اِس دُنیا میں ہی وصلِ الٰہی کی ایک قوّی امید دلاتا ہے اور اپنی تائید میں قطعی شواہد پیش کرتا ہے۔ اور دکھلاتا ہے کہ اس راستہ پر چل کر پہلے بھی ہزارہا بندگانِ خدا باخدا اور خدا نما انسان بن گئے۔

خالق کے لئے مخلوق کے دل جیتنے کی خاطر کسی نئے برّاعظم یا مُلک یا خطّے کی دریافت جماعت احمدیّہ کی تاریخ میں کوئی نیا واقعہ نہیں اور وہ اُن مسائل سے پُوری طرح باخبر ہے جو نئے علاقے دریافت کرنے والوں کو درپیش ہوتے ہیں۔ جب انگلستان نے برّاعظم آسٹریلیا کو آباد کرنے کا فیصلہ کیا تو آپ جانتے ہی ہیں کہ اُس کی آبادی کی تاریخ کتنی محنتوں اور مشقتوں اور دُکھوں اور لرزہ براندام کرنے والے مظالم کی داستانوں سے بھری پڑی ہے۔ جماعت احمدیہ کی روحانی نو آبادی کی تاریخ بھی اسی قسم کے واقعات سے معمُور ہے لیکن اس ظاہری مشابہت کے باوجود دونوں میں اہم اور بنیادی فرق ہے اور دونوں ایک دوسرے سے مشابہت رکھتے ہوئے بھی مشابہ نہیں رہتے۔

باٹنی بے (BOTANY BOY) کے مظلوم: ۔ جب ۱۸۳۱ء[1] میں انگلستان کے شمالی علاقوں میں ظالمانہ زرعی قوانین

[1] RAIPON LAND REGULATION WORLD MARK ENCYCLOPEDIA OF THE NATIONS V: 4 PAGE - 13

کے خلاف فاقہ کش کسانوں نے آواز احتجاج بلند کی تو اس جرم کی سزا میں ہزارہا بوڑھوں اور نوجوانوں کو ملک بدر کر کے آسٹریلیا بھجوایا دیا گیا۔ اُن دنوں باٹنی بے BOTANY BAY کا نام عوام الناس کی زبان میں آسٹریلیا کا ہی متبادل نام تھا۔ چنانچہ باٹنی بے کی طرف بھجوائے جانے والے مظلوموں پر جو کچھ گذری اور اُن کی یاد میں جو پیچھلوں پر بیتی اس کے دردناک ذکر پر مشتمل متعدد واقعات اور گیت انگریزی اور سکاٹش لٹریچر میں ملتے ہیں ان میں سے ہی ایک واقعہ یہ ہے کہ ایک عورت کا اکلوتا نوعمر بیٹا بھی محض شغل کے طور پر ان لوگوں میں شامل ہوگیا جو ظالمانہ قوانین اور زمینداروں کے بہیمانہ سلوک کے خلاف پُرامن احتجاج کر رہے تھے۔ اس موقع پر جو ہزارہا احتجاجی قید کئے گئے ان میں وہ نوجوان لڑکا بھی تھا۔ اُن قیدیوں کو حکومت برطانیہ نے کچھ عرصہ تک نہایت اذیت ناک حالات میں مقیّد رکھ کر بالآخر بھیڑ بکریوں کی طرح اُن جہازوں میں ٹھونس دیا جو انہیں باٹنی بے کی طرف لے جانے کے لئے تیار کئے گئے تھے۔ ان کے اعزّاء و اقرباء کو صرف اتنا علم ہو سکا کہ وہ لوگ باٹنی بے چلے گئے۔ وہاں اُن پر کیا گذری یا کتنے ان میں سے راستے میں ہی ہلاک ہو گئے اس کی اُن کو کچھ خبر نہ ہو سکی۔ اُن دنوں باٹنی بے کی طرف جانے والا قیدیوں کا راستہ ایک یک طرفہ راستہ تھا۔ اُن کو لے جانے والی ہوائیں صرف انگلستان سے باٹنی بے کی طرف چلتی تھیں اُلٹ کر کبھی واپس نہیں آئیں۔ اُس لڑکے کا تو کچھ پتہ نہیں چل سکتا کہ اس پر کیا حالات گذرے۔ ہاں اُس ماں کا ذکر آج تک محفوظ ہے جو بچے کی جدائی کے غم میں دماغی توازن کھو بیٹھی۔ ہر روز بلاناغہ اس کا یہی کام تھا کہ جنوب مشرق کی طرف مُنہ کر کے بیٹھ جاتی کہ میرا بیٹا اس طرف گیا ہے اور اسی طرف سے واپس آئے گا۔ وہ ہر روز اس کے استقبال کی تیاری کرتی اور حسب توفیق اس کی خاطر مدارات کا سامان مہیّا رکھتی۔ لیکن کوئی اُس طرف سے نہ آیا اور انتظار کے دن لمبے ہو گئے۔ وہ عورت اسی انتظار میں بوڑھی ہو گئی اور بالآخر اس کی ٹانگوں پر فالج کا حملہ ہوا اور چلنے پھرنے سے معذور ہو گئی۔ اس حالت میں بھی اس کا دستور یہی رہا کہ اپنے عزیزوں سے کہہ کر موسم کے مطابق کبھی صحن میں اور کبھی برآمدہ میں اپنی کرسی اس طرح رکھواتی کہ منہ باٹنی بے کی جانب رہے۔ اور تمام دن اسی سمت سے کسی آنے والے کا انتظار کیا کرتی۔ لوگ اُسے پاگل کہتے تھے۔ وہ لوگوں کو پاگل سمجھتی تھی۔ اور کہتی تھی کہ جب بھی میرا بیٹا لوٹے گا وہ یہ دیکھ کر کتنا خوش ہوگا کہ میری ماں مجھے بھولی نہیں اور آج تک میرے انتظار میں ہے۔

جماعت احمدیہ کی طوعی قربانی

احمدیت کی رُوحانی نو آبادیات کی تاریخ میں بھی اس سے ملتے جُلتے واقعات نظر آتے ہیں۔ مگر بنیادی فرق یہ ہے کہ وہ جبری قربانی کے واقعات نہیں بلکہ طوعی قربانی کے واقعات ہیں۔

مولانا رحمت علی صاحب

جماعت احمدیہ کی طرف سے پہلے پہل جب مولانا رحمت علی صاحب کو انڈونیشیا تبلیغ کی غرض سے بھجوایا گیا تو اس میں کوئی جبر کا پہلو نہیں تھا بلکہ محض خدمتِ دین کے جذبہ سے سرشار ہوکر مولانا نے خود اپنی زندگی اُس وقت کے امام جماعت احمدیہ خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کے حضور پیش کی تھی جماعتِ احمدیہ کی غربت کا اُن دنوں یہ حال تھا کہ مبلغ بھجوانے کے لئے تو پیسے جمع کر لئے جاتے مگر واپس بلانے کا خرچ مہیّا نہیں ہوتا تھا۔ چنانچہ مولانا کو بھی جب بھجوایا گیا تو سال پہ سال گذرتے گئے لیکن جماعت کو یہ توفیق نہ مل سکی کہ انہیں اپنے بیوی بچوں سے ملنے کے لئے واپس بلائے۔

اُن کے بچے باپ کی محبت سے محروم یتیموں کی طرح پل کر بڑے ہونے لگے۔ ایک دن اُن کے سب سے چھوٹے بیٹے نے جو اَب سکول میں تعلیم حاصل کر رہا تھا اپنی ماں سے پوچھا کہ امّاں سکول میں سب بچّے اپنے ابّا کی باتیں کرتے ہیں اور جن کے ابّا باہر ہیں وہ بھی آخر واپس آ ہی جاتے ہیں اور اچھی اچھی چیزیں اپنے بچّوں کے لئے لاتے ہیں۔ پھر یہ میرے ابّا کہاں چلے گئے کہ واپس آنے کا نام ہی نہیں لیتے۔ ماں یہ سُن کر آبدیدہ ہوگئیں۔ اور جس سمت میں اُس نے سمجھا کہ انڈونیشیا واقع ہے اس سمت میں اُنگلی اُٹھا کر یہ کہا کہ بیٹا تمہارے ابّا اس طرف خدا اور اس کے رسولؐ کا پیغام پہنچانے گئے ہیں اور اُسی وقت واپس آئیں گے جب خدا کو منظور ہو گا۔ اس عورت کے اس جواب میں درد تو تھا لیکن شکوہ نہیں تھا ـــــ احساسِ بے اختیاری تو تھا لیکن احتجاج نہیں تھا کیونکہ وہ خود بھی قربانی کے جذبہ سے سرشار تھی۔ مولوی صاحب کو انڈونیشیا گئے ہوئے دس سال گذر چکے تھے جب آپ کو پہلی مرتبہ انڈونیشیا سے کچھ عرصہ کے لئے بلوایا گیا لیکن پھر جلد ہی انڈونیشیا بھجوا دیا گیا۔ انڈونیشیا میں اپنے اہل و عیال سے الگ رہ کر تبلیغ میں جو وقت انہوں نے صرف کیا اُس کا عرصہ ۲۶ سال بنتا ہے۔ بالآخر جماعت نے یہ فیصلہ کیا کہ اَب اُن کو مستقلاً واپس بلا لیا جائے تب اُن کی بیوی جو اَب بوڑھی ہو چکی تھی اپنے امام کی خدمت میں حاضر ہوئی اور بڑے درد سے یہ عرض کیا کہ دیکھیں جب مَیں جوان تھی تو اللہ کی خاطر صبر کیا اور اپنے خاوند کی جدائی پر اُف تک نہ کی۔ اپنے بچّوں کو کسمپرسی کی حالت میں پالا پوسا اور جوان کیا، اَب جبکہ مَیں بوڑھی اور بچّے جوان ہو چکے ہیں اَب ان کو واپس بلانے سے کیا فائدہ اَب تو میری یہ تمنّا پُوری کر دیجئے کہ میرا خاوند مجھ سے دُور تبلیغ اسلام کی مہم ہی میں دیارِ غیر میں مر جائے یا مارا جائے اَور مَیں فخر سے یہ کہہ سکوں کہ مَیں نے اپنی تمام شادی شدہ زندگی دینِ اسلام کی خاطر قربان کر دی۔

ان دونوں مثالوں کے انطباق میں یہ ایک عجیب توارد ہے کہ اگر شمالی پنجاب میں کھڑے ہوکر کوئی انڈونیشیا کی عمومی سمت کی طرف رُخ کرے تو اسی سمت میں آگے باٹنی بے (BOTANY BAY) بھی واقع ہے۔ ان دونوں واقعات میں مذکور خواتین کا رُخ باٹنی بے ہی کی جانب تھا لیکن اس ظاہری مماثلت کے باوجود ان دونوں واقعات میں بُعد المشرقین ہے۔ ایک باٹنی بے جبر اور بے اختیاری کی ایک دردناک داستان کی مظہر ہے اور ایک باٹنی بے عظیم

مقصد کے لئے باشعور اور با اختیار طوعی قربانی کی ایک دل گداز مگر ایمان افروز داستان۔

اَب مَیں ایک اور اہم اَمر کی طرف آپ کی توجہ مرکوز کرانا چاہتا ہوں اور وہ یہ کہ تمام تو آبادیات کے ساتھ نوآبادیات میں بسنے والے قدیم باشندوں کے خلاف شدید مظالم کی داستانیں بھی وابستہ ہُوا کرتی ہیں۔ چنانچہ آسٹریلیا کی جغرافیائی تسخیر کے ساتھ بھی انتہائی ظلم کی ایسی ہی داستانیں وابستہ ہیں۔ آسٹریلیا میں آباد ہونے والی نوآباد قوموں نے پرانی قوموں سے یہاں تک بہیمانہ سلوک کیا کہ ان کی شکاری ٹولیاں ہتھیاروں سے مسلح ہو کر جنگلوں کی طرف پرانے باشندوں کے شکار کے لئے نکل کھڑی ہوتی تھیں۔ اور جنگلی جانوروں کی طرح ان کو گولیوں کا نشانہ بنا کر یہ مقابلے ہوتے تھے کہ کس شکاری نے کتنے زیادہ پرانے باشندوں کا شکار کیا ہے۔ یہ ظلم کسی لڑاکا قوم کے خلاف روا نہیں رکھا گیا۔ بلکہ مؤرخین ہمیں بتاتے ہیں کہ آسٹریلیا کے قدیم باشندے تو جنگجو اور خونخوار نہیں تھے بلکہ نہایت امن پسند صلح کل لوگ تھے۔

مولانا غلام حُسین صاحب ایاز

رُوحانی تسخیر کے ساتھ بھی اسی قسم کے مظالم کی داستانیں وابستہ ہوتی ہیں لیکن اس بنیادی فرق کے ساتھ کہ سچّی مذہبی قومیں دوسروں کا شکار نہیں کرتیں۔ بلکہ خود ان کا شکار بنائی جاتی ہیں اور پرانے باشندے شکاری بن کر مذہبی قوموں کا شکار کرتے ہیں۔ دیکھو! عیسائیت نے جب سلطنت روما کو مذہبی تسخیر کے لئے دریافت کیا تو یہ نوآباد کار عیسائی ہی تو تھے جنہیں اہلِ روم کے ہاتھوں وحشی درندوں سے پھڑوایا گیا اور شیروں اور بھیڑیوں کے سامنے پھینکا گیا۔ احمدیّت کی نوآبادیاتی تاریخ میں بھی غریب اور بےکس احمدیوں کے خلاف ایسے ہی دردناک مظالم کے واقعات بکثرت ملتے ہیں جو مُلک مُلک دُنیا بھر میں پھیلے پڑے ہیں۔ مثلاً آج سے تقریباً ۴۵ سال پہلے کا یہ واقعہ ہے کہ سنگاپور میں ہمارے ایک مبلغ غلام حُسین صاحب ایاز کو تبلیغ کے جُرم میں مشتعل ہجوم نے مار مار کر نیم جان کر دیا اور زخموں سے چُور بدن کو رات کے وقت ایک سنسان سڑک پر پھینک دیا۔ اُن کو اچانک ہوش اس طرح آیا کہ آوارہ کتّے غرّاتے ہوئے اُن کے زخموں کو بھنبھوڑ رہے تھے۔

اَے اہلِ آسٹریلیا

پس اَے اہلِ آسٹریلیا! اگر ہم وہی ہیں جو اس عزم اور اس صبر اور اس استقلال اور اس شانِ فقیرانہ کے ساتھ نئی رُوحانی بستیاں آباد کیا کرتے ہیں اور دوسروں کے خون سے نہیں بلکہ خود اپنے ہی خون سے بے رنگ زمینوں کو رنگ بخشتے ہیں اور بے آب و گیاہ صحراؤں کو چمن زار بنا دیتے ہیں، اگر ہم وہی ہیں جو بالآخر دلوں پر فتح پاتے ہیں اور رُوحوں کی تسخیر کرتے ہوئے خیالات اور نظریات کی دُنیا میں انقلاب برپا کر دیتے ہیں، تو یاد رکھنا کہ آج کا دن جبکہ ہم اپنی پہلی مسجد اور پہلے مشن ہاؤس کا سنگ بنیاد رکھ رہے ہیں برّاعظم آسٹریلیا کی تاریخ کا عظیم ترین دن ہے۔ یہ وہ دن ہے

جس کی آب و تاب گذرتے ہوئے وقت کے ساتھ بڑھتی چلی جائے گی۔ اور وہ دن جب کیپٹن جیمز کک نے پہلی مرتبہ آسٹریلیا کی سرزمین پر قدم رکھا تھا اس نئے دن کی روشنی کے سامنے پھیکا اور ماند پڑ جائے گا۔ وہ زمانہ بہت دُور نہیں جب آسٹریلیا کے باشندے جوق در جوق اس مسجد کی زیارت کے لئے آیا کریں گے اور اس خانہ خدا میں عبادت کرتے ہوئے اُس عظیم دن کو یاد کریں گے جبکہ اللہ کے ایک عاجز بندے نے بڑی متضرعانہ دُعاؤں کے ساتھ ایک چھوٹی سی مسجد کا سنگِ بنیاد رکھا تھا۔ وہ اس مسجد کے صحن میں آنسو بہاتے ہوئے دُعائیں دیں گے اُن سب مخلصین کو جنہوں نے اسلام کی فتح کے اس پہلے یادگاری نشان یعنی اس خانہ خدا کی تعمیر میں مال اور جان کی قربانی پیش کی تھی اور حسرت کریں گے کہ کاش ہم بھی اُس زمانہ میں ہوتے اور ہمارا نام اُن مجاہدین کی صف میں لکھا جاتا جنہوں نے آسٹریلیا میں اسلام کے غلبہ کی داغ بیل ڈالی۔

بانئ سلسلہ احمدیہ کی پُرشوکت پیشگوئی

آخر پر میں اس خطاب کو بانئ سلسلہ احمدیہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مسیح موعود علیہ السلام کی اس پُرشوکت پیشگوئی کے الفاظ پر ختم کرتا ہوں کہ :۔

"اے تمام لوگو! سُن رکھو کہ یہ اُس کی پیشگوئی ہے جس نے زمین و آسمان بنایا۔ وہ اپنی اس جماعت کو تمام ملکوں میں پھیلا دے گا اور حجّت اور بُرہان کی رُو سے سب پر اُن کو غلبہ بخشے گا۔ وہ دن آتے ہیں بلکہ قریب ہیں کہ دُنیا میں صرف یہی ایک مذہب ہوگا جو عزّت کے ساتھ یاد کیا جائے گا۔ خدا اس مذہب اور اس سلسلہ میں نہایت درجہ اور فوق العادت برکت ڈالے گا اور ہر ایک کو جو اس کے معدوم کرنے کا فکر رکھتا ہے نامراد رکھے گا اور یہ غلبہ ہمیشہ رہے گا۔ یہاں تک کہ قیامت آجائے گی .... ابھی تیسری صدی آج کے دن سے پُوری نہیں ہوگی کہ عیسٰی کے انتظار کرنے والے کیا مسلمان اور کیا عیسائی سخت نومید اور بدظن ہو کر اِس جھوٹے عقیدہ کو چھوڑیں گے اور دُنیا میں ایک ہی مذہب ہوگا اور ایک ہی پیشوا۔ مَیں تو ایک تخم ریزی کرنے آیا ہوں۔ سو میرے ہاتھ سے وہ تخم بویا گیا۔ اور اَب وہ بڑھے گا اور پھُولے گا اور کوئی نہیں جو اس کو روک سکے۔"

(تذکرۃ الشہادتین صفحہ ۶۴، ۶۵)

"سب ملّتیں ہلاک ہوں گی مگر اسلام اَور سب حربے ٹوٹ جائیں گے مگر اسلام کا آسمانی حربہ کہ وہ نہ ٹوٹے گا نہ کُند ہوگا۔ جب تک دجّالیت کو پاش پاش نہ کر دے۔"

(تبلیغ رسالت جلد ۶ صفحہ ۸)

برّاعظم آسٹریلیا

مکرّم ومحترم ڈاکٹر لطیف احمد صاحب قریشی قائد اشاعت مجلس انصاراللہ مرکزیہ

اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس ماہ (ستمبر ۱۹۸۳ء) اسلام کے عالمگیر غلبے کا ایک نیا باب شروع ہو رہا ہے۔ حضرت امام مہدی آخر الزمان علیہ السلام کی قدرت ثانیہ کے چوتھے مظہر بنفسِ نفیس آسٹریلیا میں ایک مسجد اور دار التبلیغ کا سنگِ بنیاد نصب فرمائیں گے اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلّم کے دین کی روشن کرنیں اس برّاعظم پر گرنے لگیں گی۔

آسٹریلیا نصف کرّہ جنوبی میں واقع ۷.۶۸ ملین (MILLION) یعنی ۷۶۸۶۸۸۴ مربع کلومیٹر رقبہ کا ایک ایسا مُلک ہے جو ایک برّاعظم بھی ہے۔ دُنیا کے برّاعظموں میں یہ سب سے چھوٹا برّاعظم ہے۔ آسٹریلیا کی آبادی تقریبًا ۱۴ ملین ہے۔ ان میں سے اکثر نقل مکانی کرنے والے یورپین ہیں جو انگلستان اور دوسرے یورپین ممالک سے ترک وطن کر کے آسٹریلیا میں جاکر آباد ہو گئے ہیں۔ ایک قلیل تعداد آسٹریلیا کے قدیم باشندوں کی بھی ہے جو ABORIGENES کہلاتے ہیں۔ ان کی تعداد اب صرف ۵۰ ہزار بتائی جاتی ہے۔ یہ ایک سیاہ فام نسل ہے جو تمدّن سے کٹ گئی تھی اور کئی ہزار سال تک دوسری دُنیا سے علیحدہ پرورش پاتی رہی۔ اُن کے رسم ورواج دوسری دُنیا سے بالکل مختلف اور بہت دلچسپ ہیں۔ پتھّروں اور لکڑیوں کے ہتھیاروں سے یہ جانوروں کا شکار کر کے اپنا پیٹ پالتے ہیں۔ لکڑی کا ایک دلچسپ ہتھیار بومرانگ استعمال کرتے ہیں جس کی خصوصیت یہ ہے کہ اگر اپنے نشانے کو نہ لگے تو واپس اپنے مالک کے پاس آجاتا ہے۔ متمدن دُنیا کی معمولی بیماریاں ان کے لئے انتہائی مُہلک ہوتی ہیں چنانچہ اسی وجہ سے آسٹریلیا کی حکومت نے ان کی دیکھ بھال کے لئے خصوصی انتظامات کئے ہیں تاکہ اس نسل کو جو موجودہ انسانی نسل کا قدیم زمانے کی نسل سے رابطہ کی ایک کڑی ہے محفوظ رکھا جا سکے۔

آسٹریلیا کی قومی زبان انگریزی ہے جو تمام ملک میں بولی سمجھی اور پڑھی جاتی ہے۔ انگلستان کے قدیم باشندوں کی ایک کثیر تعداد اس مُلک میں آباد ہے۔ اس کی نو آبادکاری کا سہرا بھی ایک انگریز SIR JAMES COOK کے سر ہے جو ۱۷۷۰ میں آسٹریلیا آیا۔ ۱۸۲۹ء تک تمام برّاعظم انگریزوں کے قبضے میں آگیا۔ شروع شروع میں یہ مُلک کالے پانی کے طور پر استعمال ہوتا تھا اور خطرناک قسم کے مجرم عمر قید کے لئے یہاں بھجوا دیئے جاتے تھے لیکن انیسویں صدی کے وسط میں باقاعدہ آبادیاں اور شہر تعمیر کئے گئے۔ ۱۹۰۱ء میں برٹش پارلیمنٹ نے آسٹریلیا کا قانون منظور کیا۔ آسٹریلیا کو یہ فخر بھی حاصل ہے کہ اس نے برطانوی دولت مشترکہ کے قیام میں بنیادی کردار ادا کیا۔ اور بین الاقوامی

تعاون کی بنیاد ڈالی۔ آسٹریلیا میں جب سونے کی کانیں دریافت ہوئیں تو یورپین نو آبادکاری کا رجحان بہت بڑھ گیا۔ وہاں پر زمین کی وسعت کی وجہ سے گندم کی کاشت اور گلہ بانی نے بہت ترقی کی اسی وجہ سے معاشی اعتبار سے آسٹریلیا ایک مضبوط ملک ہے اور اپنی وسعت اور ترقی کے مواقع فراہم کرنے کے اعتبار سے رہنے کے لئے بہت موزوں ہے۔

آسٹریلیا میں دنیا کے دیگر متمدن ممالک کی طرح مکمّل مذہبی آزادی ہے اور ہر فرد کو یہ قانونی حق ہے کہ وہ جو چاہے مذہب اختیار کرے اور اس کے مطابق اپنی عبادت کرے اور اپنے مذہب کی تبلیغ کرے۔ گو سرکاری طور پر ملک کا کوئی مذہب نہیں ہے لیکن باشندوں کی اکثریت عیسائی ہے۔ ملک کے ۳۳ فیصد باشندے پروٹسٹنٹ عیسائی، ۲۶ فیصد رومن کیتھولک اور ۱۵ فیصد عیسائیوں کے دوسرے فرقوں سے تعلّق رکھتے ہیں۔ یہودیوں کی تعداد ایک فیصد سے بھی کم ہے۔ مسلمان نہ ہونے کے برابر ہیں۔ مذہبی رواداری کی وجہ سے پروٹسٹنٹ اور رومن کیتھولک باوجود اپنے الگ الگ عقائد رکھنے کے نہایت امن سے زندگی گزارتے ہیں۔

آسٹریلیا کا موسم بھی دلچسپ ہے۔ جب ہمارے ملک میں سردی کا موسم ہوتا ہے تو وہاں گرمی ہوتی ہے۔ اور جب یہاں گرمی ہوتی ہے وہاں پر سردی ہوتی ہے۔ کیونکہ آسٹریلیا نصف کرّہ جنوبی میں واقع ہے۔ اس کے علاوہ آسٹریلیا کا ایک نہائی علاقہ استوائی خطّہ میں واقع ہونے کی وجہ سے بہت گرم ہے۔ اور ایک بڑا حصّہ ریگستانی علاقہ ہے جنوب مشرقی علاقوں کا موسم بہت خوشگوار ہے اور وہیں پر بڑے بڑے شہر آباد ہیں۔ انہی میں سے ایک سڈنی بھی ہے جہاں آسٹریلیا کی پہلی مسجد کا سنگِ بنیاد تیس ۳۰ ستمبر بعد نماز جمعۃ المبارک رکھا گیا۔

آسٹریلیا میں مقیم ایک دوست حضرت صوفی حسن موسیٰ صاحب جو سندھ کے رہنے والے تھے سب سے پہلے حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسلام سے ۱۹۰۳ء میں تحریری بیعت کی۔ حضور علیہ السلام نے اس پر بے حد خوشنودی کا اظہار کیا۔ اور اپنے خط میں انہیں نصائح فرمائیں۔ نیز ان کے لئے دُعائے خیر کی۔ یہ بزرگ ۱۹۱۲ء میں قادیان تشریف لائے اور حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کے دستِ مبارک پر بیعت کی۔

اُن کے تعلقات ایک اور دوست مکرم ملک محمد بخش صاحب جو نولکھا بازار لاہور کے رہنے والے تھے کے ساتھ تھے کیونکہ یہ بھی آسٹریلیا میں مقیم تھے اور سلسلہ عالیہ احمدیّہ میں داخل ہوئے تھے۔ انہوں نے پہلی وصیّت کی جو آسٹریلیا سے وصول ہوئی۔ اُن کے اخلاص کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے ۱/۳ حصّہ کی وصیّت کی تھی۔

آسٹریلیا میں مقیم یہ وہ پہلے احمدی تھے جنہوں نے احمدیت کا بیج آسٹریلیا کے برّاعظم میں پہنچایا۔ آسٹریلیا بلڈنگ لاہور کے مالک خاندان سے متعلق ایک فرد خواجہ امیر بخش تھے جنہوں نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اس کے بعد بہت سے احباب مختلف اوقات میں آسٹریلیا جاتے رہے۔ ان میں ایک معروف شخصیت مکرم ڈاکٹر اعجاز الحق صاحب ڈینٹل سرجن ہیں جو کسی زمانے میں لاہور ڈینٹل کالج کے پرنسپل بھی رہ چکے ہیں۔

شہیدِ احمدیت شیخ ناصر احمد کی یاد میں

رشحاتِ فکر مکرم چوہدری خورشید احمد صاحب باجوہ ۔ اوکاڑہ

اَے شہیدِ احمدیّت ناصرِ عالی وقار ٭ تیرے غم میں حالتِ دل ہوگئی زار و نزار
صُبحِ عید اپنے لئے شامِ جدائی ہوگئی ٭ آرزوؤں کے بھرے گھر کی صفائی ہوگئی
صدمۂ فرقت سے دل بِریاں تو آنکھیں خونفشاں ٭ آہ لَب پر آتشِ ہجراں ہے سینے میں تپاں
پڑ رہا ہے عکسِ خاموشی فضائے دہر پر ٭ کاٹنے کو دوڑتے ہیں اپنے ہی دیوار و دَر
روئیں جاکر کس کے دَر پر کس سے حالِ دل کہیں ٭ کیسے اِس چرخِ ستم ایجاد کے چرکے سہیں
زندگی کی ہر تمنّا ہے پریشان و تباہ ٭ نالۂ دل لَب پہ لرزاں ہو رہا ہے بن کے آہ
نخلِ اُلفت کی ہوئی ہے خشک ہر اک شاخسار ٭ ہر طرف پت جھڑ کا موسم ہے ہوئی رخصت بہار
دم قدم سے تیرے خارستان بھی گلزار تھا ٭ تو میرا ہمدم ۔ رفیق و مونس و غمخوار تھا
تُو گیا تو دوستی کی ہر اَدا رخصت ہوئی ٭ رسمِ اُلفت چل بسی ۔ قدرِ وفا رخصت ہوئی
تُو تھا سر چشمہ محبت کا ۔ عظیم انسان تھا ٭ کون کہہ سکتا ہے تُو کتنا عظیم الشّان تھا
سُنتے ہیں کہ جس گھڑی تُو داخلِ جنّت ہُوا ٭ تیرے استقبال کو رضواں ادب سے جُھک گیا

یا الٰہی کہ دُعا خورشیدِ احقر کی قبول
روز و شب تربت پہ اس کی رحمتوں کا ہو نزول

آسٹریلیا کے اخبارات نے کیا لکھا؟

آسٹریلیا کے اخبارات کے جو تراشے ہمیں موصول ہوئے ہیں ان کا خلاصہ مکرم محترم ڈاکٹر لطیف احمد صاحب قریشی قائد اشاعت نے تیار کیا ہے۔ (ادارہ)

(۱)

۲۸ ستمبر ۱۹۸۳ء کی صبح آسٹریلیا کے مشہور اخبار سڈنی مارننگ ہیرلڈ نے اپنی اشاعت میں خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا:-

" حضرت صاحب دُنیا میں بسنے والے ۱۳ ملین احمدی مسلمانوں کے مذہبی پیشوا ہیں اور وہ ۱۹۸۲ء میں خلیفہ منتخب ہوئے اور جماعت احمدیہ کے بانی حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام کے پوتے ہیں جنہوں نے نبی اور مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا تھا اور ۱۸۸۹ء میں جماعت احمدیہ کی بنیاد رکھی تھی۔ اکثر مسلمان فرقے ان کے اس دعوے کو درست تسلیم نہیں کرتے۔ اخبار نے لکھا کہ حضرت صاحب یہ سمجھتے ہیں کہ آسٹریلیا کے باشندوں کی اکثریت مادیت کی طرف میلان رکھتی ہے اور مذہب سے بے بہرہ ہے اور وہ اس آواز کی طرف توجہ نہیں دیں گے جو وہ ان تک پہنچانا چاہتے ہیں۔ لیکن دُنیا ایک عظیم تباہی کے کنارے پر کھڑی ہے جو تیزی سے ان کی طرف آرہی ہے اور اگر دُنیا کے لوگوں نے اپنے طور طریقے تبدیل نہ کئے تو وہ جلد اس سے ہمکنار ہو جائیں گے۔ تب وہ لوگ جو مادہ پرست ہونے کی وجہ سے اس وقت اسلام کی طرف متوجہ ہونے کو تیار نہیں اپنے اس خول سے باہر آجائیں گے۔ اور انہیں اسلام کی طرف اپنی توجہ مبذول کرنی پڑے گی۔ احمدیہ جماعت کے افراد صلح جُو ہیں اور تشدد کا جواب تشدد سے نہیں دیتے۔ یہاں تک کہ ان میں سے بعض زمین میں گاڑ کر سنگسار کئے جانے کے باوجود خوشی خوشی مسکراتے ہوئے اپنی جان قربان کر چکے ہیں۔"

(۲)

ایک اور اخبار "دی آسٹریلین" نے اپنی ۲۸ ستمبر کی اشاعت میں لکھا کہ:-

" اگر حضرت مرزا طاہر احمد صاحب کی بات کا یقین کر لیا جائے تو دس سال کے بعد عیسائیوں کے پادری

بے کار ہو جائیں گے کیونکہ دُنیا میں ایک عظیم تباہی آنے کے بعد اسلام دُنیا کے تمام مذاہب پر غالب آجائے گا۔ اخبار نے لکھا کہ احمد صاحب مسلمان فرقہ احمدیہ کے عالمی سربراہ ہیں جس کا مرکز پاکستان میں ہے اور ان کا دعویٰ ہے کہ دس ملین افراد دُنیا کے اسی ممالک میں اُن کے پیرو ہیں۔ جن میں سے پانچ سو آسٹریلیا میں رہائش پذیر ہیں۔

دُنیا کے بعض مسلمان ممالک میں اس فرقہ کے لوگوں کو اپنے عقائد کی وجہ سے اپنے آپ کو اسلام سے منسوب کرنے کی قانونی ممانعت ہے۔ احمد صاحب سڈنی میں آسٹریلیا میں جماعت احمدیہ کی پہلی مسجد کا سنگِ بنیاد رکھنے کے لئے تشریف لائے ہیں۔ یہ مسجد بلیک ٹاؤن کے نزدیک بنائی جائے گی۔ یہ حضرت مرزا غلام احمد (علیہ السلام) کے پوتے ہیں جو اس فرقہ کے بانی تھے اور احمدی ان کو مسیح موعود سمجھتے ہیں۔

یہ لوگ یسوع مسیح کو خدا کا نبی تو تسلیم کرتے ہیں لیکن دوسرے مسلمانوں اور عیسائیوں سے ان کا عقیدہ اس لحاظ سے مختلف ہے کہ یہ سمجھتے ہیں کہ یسوع مسیح صلیبی موت سے بچ گئے تھے اور پھر کشمیر کی طرف ہجرت کرنے کے بعد ۱۲۰ سال کی عمر میں قدرتی طور پر فوت ہوئے تھے آپ کا خیال ہے کہ اس دوران یسوع مسیح نے شادی کی اور اُن کے بچے بھی ہوئے۔

حضرت عیسیٰؑ کی دوبارہ آمد اسلام کی نشاۃ ثانیہ سے تعلق رکھتی ہے اور اس کے ساتھ اسلام کی اشاعت کے لئے ایک عالمی تحریک شروع کی جا چکی ہے جس کے بعد اسلام دلائل اور براہین کے ذریعے تمام ادیانِ عالم پر غالب آجائے گا۔ (حضرت) احمد صاحب نے کل بتایا کہ یہ عمومی تقدیر ہے کہ چیز پرانی ہو کر انحطاط کی طرف مائل ہو جاتی ہے۔ چنانچہ جب بانیٔ اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مسیح موعود کے آنے کی خبر دی تو وہ عیسائیت کے ابتدائی ایام کی طرف لوگوں کی توجہ مبذول کروانا چاہتے تھے کہ اسلام پر آخری زمانے میں اسی طور کے حالات پیش آئیں گے جیسا کہ عیسائیت کو ابتدائی زمانے میں پیش آئے۔ چنانچہ ابتدائی عیسائیوں کو ۳۰۰ سال تکالیف کو صبر کے ساتھ برداشت کر کے حالات کا مقابلہ کرنا پڑا جس کے بعد انہیں فتح نصیب ہوئی۔

حضرت احمد کا خیال ہے کہ دُنیا میں ایک عالمی تباہی آنے والی ہے جس کے بعد مغربی تہذیب دم توڑ دے گی۔ اور اس کا غرور اور تکبّر خاک میں ملا دیا جائے گا۔ اس وقت لوگوں کی توجہ اپنے اصلی ربّ کی طرف مبذول ہو گی۔

آپ نے فرمایا کہ جوہری جنگ سے بھی یہ عالمی تباہی ہو سکتی ہے اور دس سال کے عرصے میں اس

کے دُنیا میں ظاہر ہونے کے امکانات ہیں۔"

(۳)

اخبار" دی آسٹریلین" کے ۲۹ ستمبر کی اشاعت میں ایک اور خبر شائع ہوئی جو دلچسپ ہے۔ اخبار لکھتا ہے :-

" آسٹریلیا کی مساجد میں ایک انتباہ کا اعلان کیا گیا ہے کہ تمام مسلمان علماء کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ احمدی کافر ہیں کیونکہ وہ (حضرت مرزا) غلام احمد (علیہ السلام) کو نبی اور مجدّد مانتے ہیں۔ احمدیوں کے کسی جلسہ میں شرکت کرنا گناہ ہے کیونکہ اس طرح انہیں ہمارے نبی (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اور اسلام کے خلاف پھیلانے کا موقع ملتا ہے۔

یہ انتباہ جو مساجد کے اندر برسرِ عام مشتہر کیا گیا ہے۔ آیا یہ حکومت کے منافرت کو روکنے والے قوانین کی خلاف ورزی تو نہیں کرتا اس کا فیصلہ تو بعد میں کیا جائے گا۔ لیکن جو دیکھنا ہے وہ یہ ہے کہ آسٹریلین فیڈریشن آف اسلامک کونسلز اس فرقے کے متعلق کیا رائے دیتی ہے جس کے ماننے والوں کی تعداد آسٹریلیا میں صرف ۵۰۰ ہے لیکن یورپ، امریکہ اور افریقہ میں یہ تیزی سے ترقی کر رہے ہیں اور ان کے ماننے والوں میں اکثریت مسلمانوں کی بجائے ان عیسائیوں کی ہے جو اپنے مذہب سے بیزار ہیں۔ پچھلے جمعہ احمدیوں کے خلاف سری ہل مسجد سڈنی میں ایک شدید خطبہ دیا گیا جس کی وجہ احمدیوں کی نئی مسجد کا سنگِ بنیاد ہے جو حضرت مرزا طاہر احمد صاحب جو پاکستانی ہیں اور خوبصورت سفید پگڑی میں ملبوس ہیں کل سڈنی کے قریب رکھیں گے۔ موصوف دس ملین احمدیوں کے روحانی سربراہ ہیں جو دُنیا کے اسّی ممالک میں رہائش پذیر ہیں۔ احمدی اس عقیدہ کے حامل ہیں جو مسلمانوں عیسائیوں اور یہودیوں کو نہایت عجیب معلوم ہوگا کہ مسیح اس دنیا میں دوبارہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب کی شکل میں ظاہر ہو چکے ہیں اور ۱۸۳۵ء سے ۱۹۰۸ء تک دُنیا کے اُس علاقے میں پھلتے پھولتے رہے جو کہ اب پاکستان ہے۔ (حضرت مرزا) غلام احمد (علیہ السلام) کو اس بات کا علم تھا کہ دُنیا کے آخری زمانے میں ایک عظیم مُصلح کی آمد کی پیشگوئی ہر مذہب میں ملتی ہے۔ اس لئے حضرت احمد نے ہندوؤں کے لئے کرشن کی آمدِ ثانیہ۔ بُدھوں کے لئے گوتم بُدھ عیسائیوں کے لئے مسیح (جن کی آمدِ ثانیہ کی پیشگوئی انجیل میں موجود ہے) اور مسلمانوں کے لئے امام مہدی اور مسیح موعود (جس کا ذکر قرآن اور حدیث میں ہے) ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ اس دعوے کے نتیجے میں انہوں نے دُنیا کے ہر مذہبی فرقے سے ٹکر لے لی ہے۔ یہاں تک کہ یہودی بھی جو کہ ابھی حضرت عیسیٰ کی پہلی آمد کے ہی منتظر ہیں ان کے اس دعوے کو انتہائی کافرانہ تصوّر کرتے ہیں۔

جماعت احمدیہ کے موجودہ خلیفہ اس صورتِ حال کے باوجود انتہائی خوش فہمی کا اظہار کرتے ہیں اور اپنے پیروکاروں کو کسی تشدّد کی تعلیم نہیں دیتے۔ ان کا خیال ہے کہ احمدیوں کے خلاف موجودہ تشدّد انہیں عیسائیت کے ابتدائی زمانے کے ماننے والوں کی مانند اُٹھانا پڑے گا اور بالآخر فتح انہی کی ہوگی۔

ان کے بانی کی پیشگوئیوں میں سے ایک میں انہیں بتایا گیا تھا کہ ایک بہت بڑا لیڈر ان کے خلاف کھڑا ہوجائے گا اور انہیں سخت نقصان پہنچانے کی کوشش کرے گا۔ اور جب وہ اپنی عمر کے باون سال میں قدم رکھے گا تو مارا جائے گا۔ وہ ذوالفقار علی بھٹو کو اس پیشگوئی کا مصداق تصوّر کرتے ہیں۔ خلیفہ (صاحب) نے فرمایا کہ بھٹو کے انجام نے ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔

ان کی تبلیغ مسلمانوں سے زیادہ عیسائیوں کے لئے پریشان کُن ہے۔ کیونکہ یہ کہتے ہیں کہ ہم انجیل کی تفسیر عیسائیوں سے بہتر کرسکتے ہیں اور جو معنی ہم انجیل کے کرتے ہیں وہ فہم اور ادراک کے زیادہ نزدیک ہیں۔ اور ہم اُمید رکھتے ہیں کہ ہمارا مشن آسٹریلین عیسائیوں میں یہاں کے مسلمانوں کی نسبت زیادہ ترقی کرے گا۔ اگر امریکہ کے حالات آسٹریلیا میں دہرائے گئے تو یہ ضرور صحیح معلوم ہوتا ہے کیونکہ امریکہ میں اگر ایک مسلمان احمدیہ عقائد کو قبول کرتا ہے تو اس کے مقابلے میں ۹۹ عیسائی ان عقائد پر ایمان لاتے ہیں۔ لیکن یہ تبلیغ کسی خوف یا جبر کے نتیجے میں نہیں ہے بلکہ اُن کے طریق نہایت پُرامن اور صلح جُو ہیں اور جس طریق پر انہوں نے ہمارے (نمائندگانِ پریس کے) سوالات کا جواب دیا وہ اُن کے تبلیغی طریق کا عملی ثبوت ہے۔ انہوں نے کہا کہ مذہب کی راہ میں ہم پر ہونے والے مظالم کے خلاف ہم اپنی بھویں تک اُوپر نہیں اُٹھائیں گے۔ مذہب کے نام پر ہم پر ہونے والے تشدّد کے خلاف ہم مزاحمت نہیں کریں گے۔ اس ملک میں احمدیوں کو تشدد کا کوئی خطرہ نہیں اور دوسرے مسلمان فرقوں کی طرف سے اُن کے خلاف تشدد کا اعلان ہمارے آزاد ملک کے معاشرہ میں برداشت نہیں کیا جائے گا۔ احمدیوں کے بعض عقائد پر عیسائیوں کو بھی غصّہ چڑھے گا مثلاً یہی عقیدہ کہ حضرت عیسیٰؑ صلیب پر فوت نہیں ہوئے بلکہ ۱۲۰ سال کی عمر میں کشمیر کے علاقے میں قدرتی وفات پائی اور وہاں اُن کا مزار ابھی موجود ہے۔ اس عقیدے کے اظہار کے لئے دُنیا کے خوبصورت ترین علاقے کا انتخاب کیا گیا ہے (یعنی کشمیر) جہاں یہ کہانی یوز آسف کے نام سے مشہور ہے اور کہا جاتا ہے کہ حضرت عیسیٰ یہودیوں کے گمشدہ قبائل کی تلاش میں کشمیر کے علاقے میں آئے تھے۔

احمدیہ تحریک کی آسٹریلیا میں آمد کا اصل مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس ملک میں اپنے مذہب کے پیروکار بڑھانا چاہتے ہیں۔ ان لوگوں میں حب الوطنی کا جذبہ بہت شدید ہے اور تمام کے تمام آسٹریلیا کے شہری بن چکے ہیں اس لئے ہماری مذہبی رواداری اس بات کی ضمانت ہے کہ انہیں اپنے مذہب پر عمل کرنے کی پوری آزادی ہونی چاہیئے۔ ” ❊

قرار دادِ تعزیّت

انتقال پُر ملال حضرت مولانا عبد المالک خانصاحب ناظر اصلاح و ارشاد صدر انجمن احمدیہ پاکستان ربوہ۔ اعزازی رُکن مجلس انصار اللہ مرکزیہ ربوہ

اراکین مجلس عاملہ مرکزیہ کا یہ غیر معمولی اجلاس حضرت مولانا عبد المالک خانصاحب ناظر اصلاح و ارشاد صدر انجمن احمدیہ پاکستان ربوہ و اعزازی رُکن مجلس انصار اللہ مرکزیہ کے سانحۂ انتقال پُر ملال پر اپنے دلی صدمہ اور گہرے رنج و غم کے اظہار کے لئے منعقد ہوا ہے۔

حضرت مولانا صاحب ۵ راگست ۱۹۸۳ء کو ایک تبلیغی جہاد پر جاتے ہوئے شیخوپورہ کے قریب کار کے حادثہ میں شہید ہوئے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

حضرت مولانا صاحب سلسلہ عالیہ احمدیہ کے انتہائی مخلص خادم۔ جیّد عالمِ دین اور نڈر داعی الی اللہ تھے۔ آپ نے قریباً ۴۸ سال تک نہایت اعلیٰ خدماتِ دینیہ انجام دیں اور وقفِ زندگی کے عہد کو کمال خلوص اور مسلسل جذبۂ ایثار و قربانی سے نبھایا۔ جن کے پیشِ نظر سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے آپ کی خدمات کو سراہتے ہوئے فرمایا:-

"مرحوم نہایت فدائی اور سلسلہ کے خادم تھے۔ آپ ہندوستان کے چوٹی کے ایک معزز خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ جس نے اللہ کی خاطر دُنیا کی عزّت کو ٹھکرایا اور دین کی خدمت کی زندگی قبول کی۔ ان کے والد نے ان ساری دُنیاوی عزّتوں کو تج کر حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کا دامن تھاما۔ اور اللہ کی خاطر امیرانہ ٹھاٹ باٹ چھوڑ کر غریبانہ زندگی اختیار کی۔ اسی رنگ میں رنگین ہو کر مولانا عبد المالک خانصاحب نے بھی اپنی زندگی دین کی خاطر وقف کی اور اس وقف کے تقاضوں کو خوب نبھایا۔ گرمی سردی یا کسی مشکل مصیبت میں بھی خدمتِ دین کا کوئی موقعہ کبھی ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ ابھی کل ہی مجھے ملے اور اپنے اس سفر پر جانے کی اجازت مانگی اور خدمتِ دین کے ایک خاصے طویل سفر کا پروگرام پیش کیا۔

مَیں نے انہیں کہا آپ کی صحت کمزور ہے۔ آپ کا پاؤں زخمی ہے۔ آپ شوگر کے مریض ہیں۔ آپ اتنا سفر نہ کریں۔ یہ آپ کی صحت پر بوجھ ہوگا۔ مولوی صاحب نے کہا بوجھ کیسا؟ مَیں تو خدمتِ دین پر روانہ ہو کر اتنا خوش ہوتا ہوں کہ دل کِھل اُٹھتا ہے۔ مجھے اجازت دیں کہ مَیں دینی سفر پر روانہ ہو جاؤں میں

تو جتنا سفر کرتا ہوں طبیعت ہشاش بشاش ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالےٰ نے ان کے اس جذبے کو قبول کیا اور اسی سفر کی حالت میں اپنے پاس بلا لیا"۔

آپ کی وفات سے سلسلہ عالیہ احمدیہ ایک نہایت مفید اور قیمتی وجود سے محروم ہو گیا ہے اور مجلس انصار اللہ ایک بے لوث معاون و مشیر اور قابلِ فخر اعزازی رُکن سے محروم ہو گئی ہے۔

پس ہم جُملہ اراکین مجلس انصار اللہ مرکزیہ اپنے ایک مجاہد۔ داعی الی اللہ۔ جیّد عالمِ دین اور جاں نثار خادمِ دین کے انتقال پر اپنے دلی صدمے اور گہرے قلبی جذبات کا اظہار کرتے ہوئے بارگاہِ ایزدی میں دُعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ حضرت مولانا صاحب کو اپنے قُرب خاص میں جگہ عطا فرمائے۔

نیز ہم سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایّدہ اللہ تعالےٰ اور حضرت مولانا صاحب کی بیگم صاحبہ۔ صاحبزادیوں اور دامادوں اور اکلوتے بیٹے مکرم عبدالربّ محمود داتور خانصاحب کے ساتھ دلی ہمدردی اور تعزیّت کا اظہار کرتے ہوئے دُعاگو ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی امان میں رکھے اور ہمارے شہید بھائی کی جدائی کو صبر کے ساتھ برداشت کرنے کی توفیق بخشے۔ آمین۔

ہم ہیں ممبران
مجلس عاملہ انصار اللہ مرکزیہ ربوہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم　　نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

بخدمت مکرم زعیم / زعیم اعلیٰ صاحب انصار اللہ

السّلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ

انصار اللہ کا چھبیسواں سالانہ مرکزی اجتماع امسال مورخہ ۲۸-۲۹-۳۰ اخاء/اکتوبر ۱۳۶۲ہش / ۱۹۸۳ء ربوہ میں منعقد ہو رہا ہے سیّدنا حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۴ / تبوک ۱۳۵۸ہش (ستمبر ۱۹۷۹ء) میں انصار اللہ کو اپنے مرکزی اجتماع میں شمولیّت کے لئے اپنی خواہش کا اظہار فرماتے ہوئے انصار اللہ پر زور دیا کہ :-

(۱) "میری خواہش ہے کہ پاکستان میں مجالس خدام الاحمدیہ و انصار اللہ کی کوئی مجلس ایسی نہ رہے جس کا کوئی نمائندہ اپنے اپنے اجتماع میں شامل نہ ہو"۔

(۲)۔ "میرے دل میں خواہش ہے اور مَیں سمجھتا ہوں کہ جماعت کی تربیت کیلئے یہ ضروری ہے کہ خدام اور انصار کے اجتماعات میں ان کی تمام مجالس شرکت کریں"۔

(۳)۔ "چاہے ایک مجلس سے ایک ہی نمائندہ کیوں نہ آئے مگر آئے ضرور"۔

مَیں اُمید کرتا ہوں کہ آپ حضور رحمہ اللہ تعالیٰ کی دلی خواہش کو بہر حال پُورا کرتے ہوئے مرکزی اجتماع انصار اللہ میں کم از کم ایک نمائندہ ضرور بھجوائیں گے۔ اگر آپ اس راہ میں مالی مشکلات محسوس کرتے ہوں تو فوری طور پر مرکز کو مطلع فرما دیں۔ والسلام۔ خاکسار

چوہدری حمید اللہ
صدر مجلس انصار اللہ مرکزیہ۔ ربوہ

تیس ۳۰ ستمبر کی صبح نوید

آسٹریلیا کی مسجد کے سنگِ بنیاد کی تقریب کی جو تفصیل ہمیں موصول ہوئی وہ درج ذیل ہے ۔ (ادارہ)

۳۰ ستمبر ۱۹۸۳ء کی صبح آسٹریلیا کے برّاعظم کی سرزمین کے لئے خوشی اور شادمانی کی نئی کرن لے کر طلوع ہوئی۔ اس روز خدائے واحد کی پرستش کے لئے اور خدا کے آخری فرستادہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی ترویج کیلئے ایک نئے گھر کا سنگِ بنیاد رکھا جانا تھا۔ اس مقصد کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نائب ہزاروں میل کی مسافت طے کر کے آسٹریلیا کے شہر سڈنی میں رونق افروز تھے۔

یہ مسجد جس کی بنیاد رکھی جانی تھی ۲۹ ایکڑ کے وسیع وعریض میدان میں تعمیر کی جائے گی۔ یہ جماعت احمدیہ کی ملکیت ہے اور اس پر جابجا خوبصورت یوکلپٹس کے درخت ہیں اور خوش نما سبز گھاس تمام رقبے میں پھیلی ہوئی ہے۔ "المسجد بیت الھدیٰ" اس میدان کے بلند ترین حصّے پر بنائی جارہی ہے۔ یہ قطعہ زمین سڈنی کے قریب بلیک ٹاؤن سے ۶ ½ کلومیٹر دُور ایک وسیع سڑک رچمنڈ روڈ پر واقع ہے۔ تعمیر مکمّل ہونے کے بعد اس میں ایک عالیشان دو منزلہ مسجد جس میں عورتوں اور مَردوں کی عبادت کے لئے علیحدہ علیحدہ انتظام ہوگا، کے علاوہ ایک عُمدہ لائبریری ایک مہمان خانہ۔ دو مبلغین کی رہائش کے لئے مکانات ہوں گے۔ یہاں ایک کیمیونٹی سنٹر بھی تعمیر کیا جائے گا۔ اس عمارت میں انتظامی دفاتر کے علاوہ چھاپہ خانہ۔ بچّوں کی قرآنی تعلیم کا سکول اور کھیلوں کے لئے سہولت بہم پہنچائی جائے گی۔

جماعت احمدیہ کا یہ نیا مشن ہاؤس اور مسجد ان افراد کے چندہ جات سے تعمیر کیا جارہا ہے جو مشرقِ وسطیٰ میں رہائش پذیر ہیں اور اسلام کی آواز کو دُنیا کے کونے کونے میں پہنچانے کے لئے عملی طور پر کوشاں ہیں۔

اُس دن مقامی وقت کے مطابق شام ۴ بجے حضور اس جگہ پر تشریف لے گئے جہاں مسجد کی تعمیر کی جارہی ہے۔ اس تقریب کے لئے ایک خوبصورت شامیانہ وہاں نصب کیا گیا تھا۔ شامیانہ کے وسط میں ایک جانب سٹیج تھا جس پر حضور ایدہ اللہ رونق افروز تھے۔ جماعت احمدیہ آسٹریلیا کے صدر مکرم ڈاکٹر اعجاز الحق صاحب حضور کے ہمراہ تشریف رکھتے تھے۔ سٹیج کے دائیں جانب خواتین کی نشست کا انتظام تھا۔ سٹیج کے سامنے اور بائیں جانب حصّہ مردوں کے لئے مخصوص تھا۔ شامیانے کے ایک کونہ میں احباب کے لئے خورد ونوش وغیرہ کا انتظام کیا گیا تھا۔

یہ مبارک تقریب تلاوتِ قرآنِ کریم سے شروع ہوئی جو مکرم محمد یوسف صاحب سلیم نے کی۔ تلاوتِ قرآن کریم کے بعد ان آیات کا انگریزی ترجمہ مکرم فائز الحق صاحب ابن ڈاکٹر اعجاز الحق صاحب نے سُنایا۔

اس کے بعد حضور نے انگریزی زبان میں ایک معرکۃ الآرا خطاب فرمایا جس میں آسٹریلین قوم کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی اور یہ بھی فرمایا کہ گو ۳۰ستمبر کی اس تقریب کو اس وقت کوئی اہمیّت حاصل نہیں لیکن وہ وقت قریب ہے جب یہ دن آسٹریلیا کی تاریخ میں اہم ترین دن خیال کیا جائے گا اور اسلام کی روشنی اس برّاعظم کے چپّہ چپّہ کو منوّر کر دے گی۔ (اس خطاب کے مکمّل متن کا اردو ترجمہ اسی شمارہ میں شائع کیا جا رہا ہے)۔

خطاب کے بعد حضور اس جگہ تشریف لے گئے جو مسجد کی محراب کی جگہ ہے اور وہاں اپنے دست مبارک سے بجری کا مصالحہ ڈال کر مسجد کی بنیاد رکھی۔ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابی حضرت مولوی محمد حسین صاحب (جو اس تقریب میں شرکت کے لئے خصوصی طور پر ربوہ سے آسٹریلیا تشریف لے گئے ہیں) نے بنیاد میں مصالحہ ڈالا۔ اور ان کے بعد یکے بعد دیگرے مکرم وکیل اعلیٰ صاحب تحریک جدید مکرم چوہدری حمید اللہ صاحب۔ مکرم صدر صاحب جماعت آسٹریلیا ڈاکٹر اعجاز الحق صاحب۔ مکرم چوہدری انور حسین صاحب امیر جماعت احمدیہ شیخوپورہ۔ عبد اللطیف مقبول صاحب امیر جماعت احمدیّہ فجی۔ مکرم خلیل عزیز صاحب نمائندہ جماعت احمدیہ انڈونیشیا نے بھی بنیاد رکھنے میں شرکت کی۔ اُن کے بعد آسٹریلیا میں مقیم کچھ اور احباب کی شرکت کے بعد حضور نے مستورات کو بنیاد رکھنے میں حصّہ لینے کا ارشاد فرمایا اور سب سے پہلے حضور ایدہ اللہ کی بیگم صاحبہ نے بنیاد رکھی۔ اُن کے بعد مکرمہ بیگم عبد الغفار خانصاحب صدر لجنہ آسٹریلیا اور مکرمہ بیگم ڈاکٹر اعجاز الحق صاحب نے اس میں حصّہ لیا۔ پھر حضور نے بچگان کو بنیاد رکھنے کا ارشاد فرمایا جس میں عطیۃ المجیب صاحبہ جو حضور ایدہ اللہ کی چھوٹی بیٹی ہیں اور اس سفر میں حضور کے ہمراہ ہیں۔ راشد ابن منیر احمد عابد صاحب۔ عائشہ بنت محمد عثمان خانصاحب اور سہیل انور ابن محمد امجد خان صاحب کے علاوہ امۃ الناصر نصرت صاحبہ بنت سیّد میر داؤد احمد صاحب نے بنیاد رکھنے میں حصّہ لیا۔ پھر محمد یوسف سلیم صاحب۔ مبارک احمد ساہی صاحب اور موسیٰ بن مصران (طالب علم از ملیشیا) کے بعد حضور ایدہ اللہ نے دیگر احباب جماعت کو بنیاد رکھنے میں شمولیت کی اجازت دی اور بہت سے دوستوں نے بنیاد رکھنے میں حصّہ لیا۔

بعدہٗ حضور نے لمبی دعا کروائی اور پھر اگلے پروگرام میں شرکت کے لئے WISEMAN FERRY کے لئے روانہ ہو گئے اور اس طرح برّاعظم آسٹریلیا میں زیر تعمیر پہلی احمدیّہ مسجد کی بنیاد کی تقریب اختتام کو پہنچی۔

بچّوں کا صفحہ

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی مدینہ میں پہلی مسجد

پیارے بچّو ! آؤ آج تمہیں سُنائیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلّم جب مکّہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لے آئے۔ تو آپ نے مدینہ میں جو مسجد بنائی۔ اس کی کیفیّت کیا تھی ؟

عزیز بچّو ! ہر مسلمان کو پانچ وقت باجماعت نماز کا حکم ہے ـــــ اور مسلمان جس جگہ نماز ادا کرتے ہیں اُسے "مسجد" کہتے ہیں۔ یعنی وہ جگہ جہاں وہ خدا کے حضور سجدہ ریز ہوتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے جب حکم خداوندی کے تحت مکّہ کو چھوڑا اور مدینہ کے لئے روانہ ہوئے تو آپ شروع میں سیدھے مدینہ جانے کی بجائے مدینہ کی بالائی آبادی قبآ میں فروکش ہوئے یہ مدینہ سے دو اڑھائی میل کے فاصلہ پر تھی۔ یہاں انصار کے بعض قبیلے آباد تھے۔ یہاں آپ کلثوم بن الہدم کے مکان پر فروکش ہوئے۔ مہاجرین مکّہ بھی اکثر یہیں آباد تھے۔

پہلا کام جو یہاں آپ نے کیا وہ ایک مسجد کی تعمیر تھی جہاں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور آپؐ نے مزدوروں اور معماروں کی طرح کام کیا۔ اس مسجد کے متعلق قرآن مجید کی سورۃ توبہ میں آیا ہے کہ "یہ وہ مسجد ہے جس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی"۔ یہ اسلام میں پہلی مسجد تھی یہاں پر حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے دس روز تک قیام فرمایا۔

جمعہ کے روز مدینہ کے اندرونی حصّہ کی طرف آپ روانہ ہوئے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور انصار کے جلوس میں آپ آہستہ آہستہ مکّہ کی طرف روانہ ہوئے۔ راستہ میں نماز جمعہ کا وقت ہو گیا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے بنو سالم بن عوف کے محلّہ میں ٹھہر کر خطبہ دیا۔ جمعہ کی نماز پڑھی۔ یہ بڑا مختصر خطبہ تھا جس کا ذکر تاریخ کی کتب میں آیا ہے۔ یہ پہلا جمعہ تھا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے ادا فرمایا۔ ورنہ اس سے پہلے جمعہ کی نماز کا آغاز ہو چکا تھا۔

حضور جس راستے سے گذرتے انصار عرض کرتے حضور ہمارے گھر کو اپنے قدم مبارک سے برکت بخشیں۔

مدینہ میں تشریف لانے کے بعد دو یتیم بچّوں سہل اور سہیل کی زمین تھی، جس میں کچھ کھجور کے درخت تھے کچھ کھنڈرات تھے۔ دس دینار یعنی قریبًا ایک سو روپیہ میں یہ زمین خرید کر درخت کاٹ کر کھنڈرات کو ہموار کر کے یہاں مسجد کی تعمیر کی گئی۔

اس مسجد کی اونچائی دس فٹ تھی۔ طول ایک سو پانچ فٹ عرض نوّے فٹ تھا۔ فرش کچّا تھا۔ چھت کھجور کے پتوں وغیرہ کی تھی۔ ستون کھجور کے درخت تھے۔

پتھر کی سلیں اور اینٹیں لکڑی کے کھمبوں کے درمیان چُن کر دیواریں تعمیر کی گئیں۔ بارش ہوتی تو فرش پر کیچڑ ہو جاتا۔

اس لئے پھر کنکر بچھا دیئے گئے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس میں کوئی تبدیلی نہ کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بارش سے بچنے کے لئے اس کی چھت کو بدلا پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد میں اس کی دیواریں پتھر تراش کر تعمیر کیں۔ ستون پھر پتھروں کے تعمیر کئے اور ساگوان کی لکڑی چھت میں استعمال کی۔

مسجد کے ایک گوشہ میں چھت دار چبوترہ تھا جسے صفہ کہتے تھے۔ یہیں غریب مہاجر رہتے تھے جو رات کے وقت قرآن مجید کی تعلیم حاصل کرتے۔ دن کے وقت جنگل سے لکڑیاں لاکر گذر اوقات کرتے۔

یہ چبوترہ ۱۰×۱۵ فٹ تھا۔ یہ مسجد ایوانِ حکومت تھی۔ یہی دار القضاء تھا جہاں فیصلے ہوتے۔ یہیں مشورے ہوتے۔ یہی مہمان خانہ تھا۔

اِس مسجد کے ساتھ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے رہنے کے لئے کمرے تعمیر ہوئے جو سات ماہ میں مکمل ہوئے۔ اور پھر اس کے آس پاس صحابہ نے مکان تعمیر کئے۔

عزیز بچو! یاد رکھو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کے پاس پہنچے تھے ۱۲ ربیع الاوّل بروز پیر ۱ھ نبوی بمطابق بیس ستمبر ۶۲۲ء۔

صلوٰۃ التسبیح!

(مکرم فضل الرحمٰن صاحب بسمل)

نمازِ تسبیح کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت فضائل بیان فرمائے ہیں۔ حدیث میں آیا ہے کہ اگر کسی کے گناہ ریت کے صحرا کی مانند ہیں تو بھی اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرمائے گا۔ اس نماز کی چار رکعتیں ہیں۔ ہر ایک رکعت میں سورۃ فاتحہ اور دوسری سورۃ پڑھنے کے بعد پندرہ دفعہ سبحان اللہ الحمد للہ لا الہ الّا اللہ اللہ اکبر پڑھے۔ پھر رکوع میں تسبیح مقررہ کے بعد دس دفعہ یہی تسبیح پڑھے اور ہر دو سجدوں میں بھی یہی تسبیح دس دس بار پڑھے اور بین السجدتین میں بھی یہی تسبیح دس مرتبہ اور دونوں سجدوں سے فارغ ہو کر بیٹھ کر بھی دس بار یہی تسبیح پڑھ کر دوسری رکعت کے لئے کھڑا ہو جائے۔ اور اسی طرح چاروں رکعت پڑھے۔ ہر رکعت پڑھے۔ ہر رکعت میں پچھتر دفعہ کے حساب سے چاروں رکعت میں کل تین سو مرتبہ یہ تسبیح ہے۔ اس کے دینی و دُنیوی فوائد ہیں۔

ہمارے عزائم

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :-

"پہلے سلطنت برطانیہ کے متعلق کہا جاتا تھا کہ اس پر سورج غروب نہیں ہوتا۔ اَب جماعت احمدیّہ بھی خدا کے فضل سے مشرق و مغرب کے دُور دراز علاقوں میں پھیل رہی ہے۔ اور اَب اس کے متعلق بھی ہم کہہ سکتے ہیں کہ جماعتِ احمدیّہ پر سورج غروب نہیں ہوتا۔ لیکن ہم یہی نہیں چاہتے کہ جماعت احمدیّہ پر سورج غروب نہ ہو۔ بلکہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہماری اذان پر بھی سورج غروب نہ ہو۔ دُنیا کے ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک مسجدیں قائم ہوتی چلی جائیں۔ اور ان سے اذان کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔ اور دُنیا کے جس حِصّہ پر بھی سورج طلوع ہو۔ وہ یہی دیکھے کہ خدائے واحد کا نام بلند ہو رہا ہے۔ .... میں چاہتا ہوں کہ دُنیا کے چپّہ چپّہ پر مسجد بن جائے اور دُنیا جس میں عرصہ دراز سے تثلیث کی پکار بلند ہو رہی ہے خدائے واحد کے نام سے گونجنے لگے۔ یہ جبھی ہو سکتا ہے کہ تم دُعاؤں میں لگے رہو۔ اور سچّے جوش اور سچّے اخلاص کے ساتھ دیوانہ وار اپنے فرائض ادا کرو اور اس کام میں اتنے محو ہو جاؤ اور اس میں ایسا شغف پیدا کرو کہ بجُز اپنے مفوّضہ کام کے تمہیں اور کسی بات سے سروکار نہ ہو۔ تمہارے سامنے ایک ہی مقصد ہو اور اس کے حصُول کے لئے سر دھڑ کی بازی لگا دو۔ اگر تم ایسا کر دکھاؤ تو پھر وہ دن دُور نہیں کہ جب عیسائیت اپنی صف لپیٹنے پر مجبور ہو جائے گی اور اس کے لئے اس کے سوا چارہ نہ رہے گا اور وہ دُنیا میں اسلام کے غلبہ اور اس کی حکومت کو تسلیم کر لے۔"

(الفضل ۱۵، ۱۶، اکتوبر ۱۹۵۶ء)